مارچ
2021ء

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝٥ (القرآن:54)

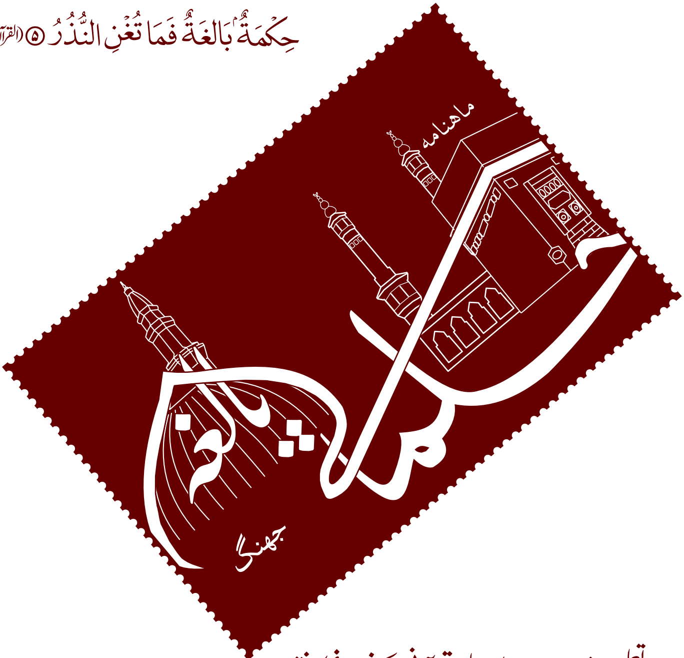

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علوم قرآنی کے فروغ کا نقیب

قرآن اکیڈمی جھنگ

جلد : 15 — وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ (القران) — رجب : 1442ھ

شمارہ : 02 — اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ سورۃ القمر) — مارچ : 2021ء

ISSN : 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت
- ڈاکٹر طالب حسین سیال
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- حاجی محمد منظور انور
- انجینئر عبداللہ اسماعیل

مدیر معاون و نگران طباعت	مفتی عطاء الرحمٰن
انتظامی امور	ملک نذر حسین
قانونی مشاورت	محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون بیس ہزار روپے یکمشت	سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت اندورنِ ملک 800روپے	معمول کا شمارہ 50روپے

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-0336-6778561

Web site:
www.hamditabligh.net

Email:
hikmatbaalgha1@yahoo.com

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی

طابع: محمد فیاض، مطبع: سلطان باھو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو۔ ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنے کا مسئلہ	انجینئر مختار فاروقی	6
4	عصرِ حاضر کے دھندلکوں میں قرآن وسنت کا انقلابی زاویۂ نظر	کرنل (ر) انجینئر اشفاق احمد	17
5	سیرت نگاری کا آغاز وارتقاء	ریاض احمد چودھری	29
6	سوشل میڈیا کا ''جال'' اور دعوتِ دین	آصف حمید	43
7	قیامِ پاکستان کا نصب العین......	محمد منظور انور	52
8	رسید تحائف		57

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

(02)	اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ	آیات
سورة البقرة	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	136-133

اَمۡ کُنۡتُمۡ شُہَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ یَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ

بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے

اِذۡ قَالَ لِبَنِیۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ

جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰـهَکَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِکَ

اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا

تو انھوں نے کہا: ہم عبادت کریں گے کہ آپ کے معبود اور آپ کے

باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی، جو معبود یکتا ہے

وَّ نَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۳﴾

اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں

تِلۡکَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ لَهَا مَا کَسَبَتۡ وَلَکُمۡ مَّا کَسَبۡتُمۡ

یہ جماعت گزر چکی، ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا)

وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۴﴾

اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی

وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا

اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے راستے پر لگ جاؤ گے

قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان سے) کہہ دو (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم

(اختیار کیے ہوئے ہیں) جو ایک اللہ کے ہو گئے تھے

وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾

اور وہ (حضرت عزیرؑ، حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہنے والوں کی طرح)

شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے

قُوۡلُوۡٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا

(مسلمانو) کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اُس (کتاب) پر جو ہم پر نازل ہوئی

وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ

اور اُن (صحیفوں) پر جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام)

اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے

وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَمَآ اُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ

اور اُن (کتابوں) پر جو موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو عطا ہوئیں ان پر

اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دی گئیں (سب پر ایمان لائے)

لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ

ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق (کسی پیغمبر کو ماننا کسی پیغمبر کو نہ ماننا) نہیں کرتے

وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾

اور ہم اسی (اللہ) کے فرمانبردار ہیں

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

اِنَّ أَمَامَ الدَّجَّالِ سِنِینَ خَدَّاعَةً

دجّال کے نکلنے سے پہلے چند سال بہت دھوکے اور فریب کے ہوں گے

یُکَذَّبُ فِیهَا الصَّادِقُ وَ یُصَدَّقُ فِیهَا الْکَاذِبُ،

ان میں سچے انسان کو جھوٹا کہا جائے گا اور جھوٹے کو سچا کہا جائے گا

وَیُخَوَّنُ فِیهَا الْأَمِینُ وَ یُؤْتَمَنُ فِیهَا الْخَائِنُ،

امانت دار کو خائن کہا جائے گا اور خائن کو امانت دار قرار دیا جائے گا

وَ یَتَکَلَّمُ فِیهَا الرُّوَیْبِضَةُ

اور ان میں رُوَیبِضہ (گھٹیا آدمی) باتیں کرے گا

قِیلَ: وَمَا الرُّوَیْبِضَةُ؟

کسی نے پوچھا: رُوَیبِضہ سے کیا مراد ہے؟

قَالَ: الْفُوَیْسِقُ یَتَکَلَّمُ فِی أَمْرِ الْعَامَّةِ

فرمایا: فاسق و بدکار آدمی عوام کے معاملے میں باتیں کرے گا

(مسند احمد عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند لمحات

حرفِ آرزو

؎ زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

عہدِ حاضر کی ریاست 'اسرائیل' کو تسلیم کرنے کا مسئلہ

انجینئر مختار فاروقی

- اسرائیل ___ مشرقِ وسطیٰ میں 1917ء میں پہلی جنگِ عظیم کے دوران عظیم سلطنت عثمانیہ کو برطانوی صیہونی استعمار کے ہاتھوں شکست کے بعد پہلے سے طے شدہ ایک طویل سازش کے ذریعے 1948ء میں قائم ہونے والی ریاست ہے۔
- 'اسرائیل' کے نام سے اس ریاست کا قیام کوئی ISOLATED واقعہ نہیں ہے۔ اس ریاست کو قائم کرنے والی قوتوں (بنی اسرائیل اور اس کے اتحادی) اور اس ریاست کے ذریعے جن مقاصد کی تکمیل کا خواب دیکھا ہے وہ 'سارے خواب' (چونکہ اکثر حکومتوں، حکمرانوں اور عوام سے) پوشیدہ ہیں لہٰذا سطحی نظر سے دیکھنے میں ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنے کا مسئلہ بڑا معصوم سا نظر آتا ہے۔
- بنی اسرائیل سابقہ مسلمان اُمّت ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام (جن کا لقب اسرائیل★ تھا) کی اولاد (بارہ بیٹوں کی نسل) پر مشتمل یہ اُمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاندان میں نبوت وکتاب کی تخصیص (القرآن 26:57 اور 27:29) کے نتیجے میں بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل عالمی تجارت میں چلے گئے اور مشرق ومغرب

★ یہ لفظ اِسر + ایل سے مرکب ہے۔ اس کا معنی ہے اللہ کا قیدی یا اللہ کا بندہ

کے مابین تجارت پر چھا گئے۔ جلد ہی بنی اسرائیل کی حکومت کمزور ہوئی تو مقامی (BLACKS) فراعنہ مصر کے نام سے حکمران بنے۔ اس دور میں یہ بنی اسرائیل فرعونوں کے غلام رہے۔ فراعنہ ان پر بہت ظلم کرتے رہے اور یہ دور اُن کے لیے ذلت و رسوائی کا دور تھا۔

- اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان میں مبعوث فرمایا اور ان کو فرعونوں کی غلامی سے نجات دلائی، ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون غرق ہوا، اس بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے بڑے احسانات کیے اور معجزات دکھائے، تورات عطا فرمائی اور اُمت مسلمہ بنایا۔

- اس اُمت کو جہاد کا حکم ہوا تو اس قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی جہاد سے صاف انکار کر دیا جس سے یہ فلسطین میں داخل نہیں ہو سکے۔ ان کو چالیس سال کی صحرا نوردی کی سزا ملی، جس کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہو گیا پھر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے دور میں جہاد ہوا اور علاقہ فتح ہوا مگر بنی اسرائیل نے ایک مرکزی حکومت قائم کرنے کی بجائے اپنے بارہ قبیلوں کی علیحدہ علیحدہ سلطنتیں بنالیں اور آپس میں لڑتے رہتے تھے (القرآن 85:02) حتیٰ کہ تابوتِ سکینہ بھی دشمن لے گئے تھے اور ان کو سزا ملی تھی۔

دوسرے پارے کے آخری رکوع میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت طالوت کی سرکردگی میں جہاد ہوا اور حضرات داؤد علیہ السلام پیغمبر ہوئے اور بادشاہ بھی۔ بعد ازاں حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور پیغمبر بھی۔ پھر ایک اور بادشاہ گذرے۔ یہ تینوں دور ملا کر 1000 ق م سے 900 ق م تک کی یہ صدی بنی اسرائیل کا دورِ عُروج ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ عروج میں بنی اسرائیل عالمی تجارت پر چھا گئے۔ ایک خاندان، آسمانی ہدایت اور ایک صدی کا وسیع علاقہ پر غلبہ۔ لہٰذا یہ سارے عالم میں تجارتی مراکز پر پہنچ گئے اور وہاں آباد ہو گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ عروج میں ہی بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے جادو سیکھا اور OCCULT SCIENCES سیکھیں (القرآن 102:02) اور علم الاعداد ایجاد کر کے تعویذات اور نقش بنانے کا فن عام کیا (آج بھی ان تعویذات اور 'نقش' کا جو مجموعہ ملتا ہے وہ نقش سلیمانی کے نام منسوب ہے حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس شیطانی فن سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں تھا)۔

- دورِ عروج کے بعد جلدی سے زوال آیا اور عالمی تجارتی غلبے کے باعث یہ قوم بگڑ گئی اور

اپنی ہی نسل (بنی اسرائیل) میں آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر زوال آ گیا اور عراق کے بادشاہ بخت نصر نے حملہ کر کے بیت المقدس تباہ کر دیا۔ بنی اسرائیل کا قتل عام کیا اور خود بنی اسرائیل کی روایت کے مطابق لاکھوں کو قیدی بنا کر لے گیا اور اپنی حکومت میں پھیلا کر قیدی بنا کر رکھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی آمد پر ان کو اس 150 سال کی غلامی سے نجات ملی۔ ایران کے ایک خداترس بادشاہ (ایران اور بنی اسرائیل کے قدیمی روابط ہیں اور یہ ایک دوسرے کے احسان مند ہیں) نے عراق پر حملہ کر کے فتح کیا تو بنی اسرائیل کو آزادی ملی اور اس ایرانی بادشاہ (سائرس یا کیخسرو) نے ان کو فلسطین میں آباد ہونے میں مدد کی۔

- حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بادشاہ اور پیغمبر ہونے کے ناطے ایک ہیکل سلیمانی (عبادت گاہ) تعمیر کرایا تھا جو نمرود بادشاہ نے گرا دیا تھا۔ اب بنی اسرائیل نے یہ ہیکل دوبارہ تعمیر کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسرائیل کو دوبارہ عروج دے دیا اور ایک سلطنت قائم ہوگئی۔ (القرآن 17:04-10)

- بنی اسرائیل نے اس دوسرے عروج کے دوران پھر پہلے عروج کی طرح خرمستیاں کیں اور آسمانی ہدایت سے غفلت برتی اور ع خدا جب حُسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے، کے مصداق، دنیا داری اور دنیاوی مفادات میں ایسے پڑے کہ آسمانی ہدایت کو پھر بھلا دیا اور پیغمبروں کے قتل کا سلسلہ جاری رہا۔ اب روم سے حملہ آور آئے اور انہیں تہس نہس کر دیا اور غلام بنا لیا۔ اس دور میں بالواسطہ طور پر ہی سہی حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو انھوں نے قتل کرا دیا۔ اتنے دلیر ہوئے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، جو ایک صاحب کتاب رسول تھے، جن کی پیدائش معجزانہ تھی (قرآن مجید میں سورۂ مریم میں تفصیل سے یہ ذکر ہے) مگر بنی اسرائیل کے ایک قلیل گروہ کے علاوہ اکثریت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کی سزا سنا کر رومی حکمرانوں کے حوالے کر دیا اور سزا پر عمل درآمد کرنے کو کہا۔

انجیل برنباس کے مطابق سارا منصوبہ تیار ہوا اور ایک شخص مخبر بنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے موقع پر وہی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں بن گیا اور گرفتار ہوا۔ بعد ازاں سولی چڑھا دیا گیا۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

(158:04) (اور انھوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی) جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ اُٹھا لیا۔ وہ اب تک حیات ہیں اور اب قربِ قیامت میں دمشق میں ایک جگہ اُترنے والے ہیں۔

◐ بنی اسرائیل پر اس 'رفع آسمانی' کے واقعے کے بعد فلسطین میں عذاب آ گیا۔ روم سے ہی ایک دوسرا فاتح ٹائٹس (TITUS) رومی اُٹھا اور فلسطین پر 70ء میں (آج سے 1950 سال پہلے) حملہ کر دیا۔ ہیکل سلیمانی کو دوسری مرتبہ زمین بوس کر دیا گیا اور بنی اسرائیل کا قتل عام کیا جو زندہ بچے ان کو فلسطین سے جلاوطن کر دیا۔ ★

◐ اس دور کو بنی اسرائیل اپنے لیے دورِ انتشار (DIASPORA) کہتے ہیں۔ فلسطین سے نکل کر وہ جہاں سینگ سمائے جا کر آباد ہوئے۔ مدینے میں آباد تین قبیلے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر بھی موجود تھے وہ آپ کے انتظار میں یہاں آ کر آباد ہوئے۔

بنی اسرائیل اپنے عالمی تجارتی رابطوں کے سبب جہاں جہاں ان کے لیے موزوں ہوا وہاں آباد ہوئے اور گزشتہ انیس صدیوں سے مسلمانوں کے عروج اور اس کے بعد عالمی تجارت میں بلاشرکت غیرے قابض ہیں۔

◐ قرآن مجید کے مطابق مدینے کے یہودی (بنی اسرائیل) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے والد اپنی اولاد کو پہچانتا ہے مگر پھر بھی ایمان نہ لائے بلکہ جنگ بدر تا جنگ خندق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف، (میثاقِ مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے) اہل مکہ کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اُبھارا۔ تاہم ہر دفعہ شکست کے نتیجے میں بنی اسرائیل کے تینوں قبیلوں کو یکے بعد دیگرے مدینے سے نکال دیا گیا مگر انھوں نے پیغمبر وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگی نہ جرم تسلیم کیا بلکہ جلاوطن ہو کر خیبر میں آباد ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر اہل مکہ سے صلح کے بعد، محرم 7ھ میں جنگ خیبر کے بعد وہاں سے بھی شمال مشرقی عرب کی طرف نکال دیے گئے۔

◐ اس وقت سے بنی اسرائیل مسلمانوں سے حالت جنگ میں ہیں۔ خود آگے نہیں آتے بلکہ

★ بنی اسرائیل کی اہل روم سے دشمنی ہونی چاہیے مگر نامعلوم کیوں دوستی ہے؟

دوسروں کو آگے کر کے خود نتیجہ دیکھتے ہیں، سازشوں کا جال بنتے ہیں اور خود زعم خویش بچ جاتے ہیں۔

◐ حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہ کرنا بنی اسرائیل کی سوچی سمجھی سازش تھی اور اب بھی مسلمانوں کا خاتمہ ان کا مقصد وحید ہے (جو ان شاء اللہ کبھی پورا نہیں ہوگا)۔

اس انسان دشمن، وحی دشمن اور خدا بیزار نظریے پر وہ آج بھی مُصِرّ ہیں۔ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک قتل انبیاء کا جرم کیا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی تک پہنچایا اور فلسطین بدر ہو گئے مگر حق قبول نہ کیا۔ حضرت محمد ﷺ کی آمد پر، جن کا ذکر ان کی کتابوں میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو BAIL-OUT کرنے کا موقع دیا مگر انھوں نے اس موقع کو ضائع کر دیا (القرآن 08:18)

◐ اپنے دورِ انتشار میں قرآن مجید کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل بہت بگڑ گئے ہیں۔ (المائدہ 05: آیات 12-13، 18، 21 تا 26، 62 تا 66، 70-71، 78 اور الاعراف 07: آیات 166-167، 170 اور التوبہ 09: آیات 30 تا 33) مگر ان میں قلیل تعداد اچھے بھی ہیں یہ اچھے کہیں خراسان کے علاقوں میں آباد تھے۔ مدینے میں آنے اور آباد ہونے والے پیغمبر دشمن یہود تھے اور حضرت محمد ﷺ کی مخالفت اور قتل کے لیے یہاں آباد تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ آخری پیغمبر بھی بنی اسرائیل میں سے آئے گا مگر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں آ گئے۔

◐ بنی اسرائیل بہت پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت حضرت اسماعیل علیہ السلام کا انکار کر چکے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسحاق علیہ السلام کے علاوہ کوئی بیٹا تھا ہی نہیں (اسی لیے عیسائی دنیا میں ابراہیم، یعقوب، یوسف، بن یامین، موسیٰ، ہارون، لوط، داؤد، سلیمان، زکریا، یحییٰ، دانیال وغیرہ نام ہیں مگر نہیں ہے تو صرف اسماعیل کا۔ حالانکہ وہ ابراہیم کے بعد سب سے مقدّم نام ہونا چاہیے تھا)۔ گویا حضرت محمد ﷺ کا مکمل انکار کرنے کے لیے ان کے جدامجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ہی انکار کر دیا گیا ہے۔ اس سے بڑا کتمانِ حق اور دینی جرم اور خدا بیزاری و انسان دشمنی کیا ہو سکتی ہے۔

◐ اس پر مستزاد یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے بعد بھی اسلام دشمنی اور انبیاء دشمنی سے باز نہیں آئے۔ گزشتہ چودہ صدیوں کی تاریخ دنیا بھر میں صرف

بنی اسماعیل (یعنی حضرت محمد ﷺ اور ان کی اُمتِ عرب اور 'آخَـرِیْنَ مِنْهُمْ ') اور بنی اسرائیل کی کشاکش اور آویزش کا ہی نام ہے۔ کبھی یہ سرد جنگ کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور کبھی یہ گرم جنگ کی صورت میں ہوتی ہے یہ جنگ اسلام کے صدرِ اوّل سے آج تک 24/7 جاری ہے۔

تاہم اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، 36ھ تا 40ھ مسلمانوں کے مابین خانہ جنگی اور ایک لاکھ مسلمانوں کا باہمی قتل، واقعہ کربلا، واقعہ حرہ یہ اسی بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل کی باہمی جاری دشمنی کے شاخسانے ہیں۔ اسی طبقے نے 750ء کے لگ بھگ سد ذوالقرنین کے پار جارجیا کی ریاست کے پاس روسی علاقہ میں ایک بادشاہ کو اپنے مذہب میں داخل کرکے 13th Tribe کا نام دیا اور اس کو جائز و ناجائز SUPPORT کرکے دنیا کی عالمی تجارت میں عروج دینے کے وعدے پر ساتھ ملایا اور اس قبیلے کے ذریعے فلسطین میں سازشیں کرکے پہلے کاغذی نوٹ (PAPER CURRENCY) اور بینک (BANK OF ENGLAND 1640AD) قائم کیا جس کے ذریعے سودی نظام کو جاری کرکے عالمی معیشت پر اپنے پنجے گاڑ دیے، جو اب 2021ء میں اپنے منطقی عروج پر ہے۔

تیرھویں قبیلہ کے افراد آج دنیا بھر کی معیشت پر ملٹی نیشنلز کے نام سے قابض ہیں۔ UNO کے نام سے عالمی سلطنت قائم ہے اور IMF، WB، ASIAN BANK سب ان کے زیر انتظام ہیں۔ 1948ء میں اسرائیل کی ناجائز ریاست قائم ہوگئی جو 1967ء اور 1973ء کی جنگوں کے بعد پھیل گئی جس سے مسلمانوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی جگہ دمشق کو مخدوش بنا دیا گیا ہے۔

- بنی اسرائیل کے نظریات کی حامل، اسرائیل کی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے اور قرآن مجید کے مطابق بنی اسرائیل کے نظریات بڑے واضح ہیں اور انسانیت کے لیے بڑے خوفناک ہیں۔ خدا بیزار، وحی دشمن اور انسان دشمن نظریات کا تانا بانا گذشتہ تین چار ہزار سال کی تاریخ پر پھیلا ہوا ہے۔
- قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے انسان دشمن نظریات مختلف مقامات پر آئے ہیں

اشارات کی صورت میں ہم آیات کے حوالہ کے ساتھ یہاں درج کر رہے ہیں۔

i بنی اسرائیل کا نسلی تفاخر WHITE RACISM

ii بنی اسرائیل کا 'نحن ابناء اللّٰہ' کا خدا دشمن نظریہ (18:05)

iii بنی اسرائیل کا غیر اسرائیلی اقوام کی اہانت کی سوچ۔ انسان نما حیوان کا نظریہ (ڈارون تھیوری کے تحت GOYEMS اور GENTILES)

iv اسرائیل کی اولاد کے علاوہ جو افراد اور نسلیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ایمان لائیں وہ بھی 'بنی اسرائیل' کے برابر نہیں ہیں۔

عبادت گاہوں میں علیحدہ جگہ۔

رَجُلٌ مِنْ آلِ فرعون کا خاندان، جادوگروں کا گروہ، فرعون کی اہلیہ، ملکہ سبا (بلقیس) اور تیرھواں قبیلہ۔

- ریاست اسرائیل کے FOUNDING FATHERS بنی اسرائیل ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرات داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے ماننے والے ہیں تورات کے حامل ہیں۔
- قرآن مجید کے بیان، احادیث میں اشارات اور تاریخی حقائق کے مطابق یہی بنی اسرائیل 600 ق م سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے تک قتل انبیاء کے جُرم میں ملوّث رہی۔ گویا بنی اسرائیل بظاہر آسمانی وحی اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں آسمانی وحی کے INSTITUTION پر ایمان رکھتے ہیں مگر 600 ق م سے 600 صدیاں اپنے ہی خاندان آلِ یعقوب (بنی اسرائیل) میں آنے والے انبیاء علیہم السلام کے قتل کرنے والے ٹھہرے (کہ آسمانی ہدایت کا انکار ہے ہمیں آسمانی ہدایت نہیں چاہیے بس تورات کافی ہے حالانکہ تورات بھی گم ہوگئی، نہ اس کی تفتیش، نہ آیف آئی آر، نہ مجرموں کی تلاش اور تعین۔ کہیں گائے یا بکری گم ہو جائے تو اس دور میں بھی قانون موجود تھا کہ مجرموں کو سزا ہو مگر تورات کی گمشدگی PLANNED لگتا ہے اور 'خود چھپائی' گئی ہے اس لیے اس کی دستیابی کا امکان نہیں ہے)۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ابلیسی نظریات کے سرپرست یعنی یونانی اصنام پرستی اور رومی حکمرانوں کے TORTURE کے طریقوں کے مبلّغ۔ اور آج فلم انڈسٹری کے مالک، انٹرنیٹ پر بے حیا، آزاد، لبرل کلچر کے سرپرست، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر

عذاب آنے کی جگہ کو TOURIST POINT بنانے کے مرتکب۔

- قرآن پاک میں ہے (سورۃ الحدید 26:57) کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آمد پر اپنی سُنّت اِرسالِ انبیاء ورُسل میں دو اہم LAND MARKS کے طور پر نمونہ بنا دی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد صرف ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب رکھ دی، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بالخصوص انہی کی اولاد کو پیغمبری اور کتاب کے لیے مختص کر دیا۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہی ہوگا۔ بعض موٴرّخین بدھ مت کے بانی اور چند دیگر شخصیات کو پیغمبر مانتے ہیں تاہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی شخص کو نبی ماننے کے لیے اس کا اولادِ ابراہیم سے ہونا لازمی ہے۔

پہلے قتل انبیاء اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کے اعلان کے بعد بنی اسرائیل نے شمال مشرقی عرب (جہاں وہ خیبر سے نکالے جانے کے بعد آباد تھے) سے ہی جھوٹے، فرضی اور خودساختہ نبی کھڑے کرنے کا آغاز کر دیا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ احادیث پاک میں ہے کہ دجالِ اکبر بھی آئے گا وہ 'مسیح' یعنی نبی ہونے کا ہی دعویٰ کرے گا۔ قتل انبیاء اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی سرپرستی ایک ہی کھوٹے سکّے کے دو رُخ ہیں۔ ختم نبوت کے اعلان کے بعد جھوٹے نبی بنائے گئے کہ اب آسمانی وحی کے ذریعے ان 'نبیوں' کی تغلیط ممکن ہی نہیں۔ (العیاذ باللہ من ذالک)

- آج (قربِ قیامت کے دور میں) جبکہ عیسائی بھی اپنے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے منتظر ہیں۔ مسلمان الگ منتظر ہیں (قرآن وحدیث کے مطابق) اور یہود اپنے زُعم میں منتظر ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو انہوں نے ان کو مانا نہیں لہٰذا اپنی مذہبی پیش گوئیوں کے مطابق وہ 'اصلی' مسیح کی آمد کے منتظر ہیں (جبکہ مسلمانوں نزدیک، جیسا کہ قرآن مجید ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے اور بنی اسرائیل کے انکار پر وہ آسمان پر اٹھا لیے گئے جس پر بنی اسرائیل پر 70ء میں عذاب آ گیا لاکھوں قتل ہوئے اور باقی فلسطین سے نکال دیے گئے)۔

مسلمانوں کے مسیح علیہ السلام اب قربِ قیامت میں دوبارہ آئیں گے، ملک شام کے شہر دمشق کے ایک مینار سے اُتریں گے اور مسلمانوں (اور قلیل مخلص عیسائیوں) کے ساتھ زمینی طور پر

فلسطین، تل ابیب آئیں گے۔اس کے مدمقابل ANTI-CHRIST اصفہان سے نکلے گا۔

◐ یہود جس 'مسیح' کا انتظار کررہے ہیں وہ اصفہان سے ظاہر ہوگا اور مسلم شریف (کتاب الفتن) کی حدیث کے مطابق دجّال بھی اصفہان سے ظاہر ہوگا اور ستر ہزار یہودی سیاہ چغے پہنے اس کے ساتھ ہوجائیں گے۔ ہم مسلمانوں کے نزدیک اصفہان سے ظاہر ہونے والا 'مسیح' 'مسیح الدجّال' ہوگا اور ANTI-CHRIST ہوگا۔ جبکہ بنی اسرائیل اور آج کے اسرائیلی اور اس کے اتحادیوں کے نزدیک اصفہان سے ظاہر والا 'مسیح' ہوگا اور شام (دمشق) سے ظاہر ہونے والا ANTI-CHRIST ہوگا یہی نظری اختلاف جنگ کا باعث بنے گا جب مسلمانوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصفہان سے آنے والے 'مسیح الدجال' کو ترمذی کی روایت کے مطابق اسرائیل کے تل ابیب کے نزدیک AIR BASE لُدّ (LYDA) کے دروازے پر قتل کردیں گے۔

◐ ان نظریات کی روشنی میں اگر آج ہم اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں تو آنے والے سالوں میں شدید ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اشارۃً درج ذیل معاملات پیش آسکتے ہیں:

1۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل اسرائیل کی حمایت میں شام میں کیے گئے اقدامات کی حمایت۔ اسرائیل شام بارڈر بند کرنے پر اسرائیل کی حمایت۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حمایتی قوتوں سے دوستی اور عملی اقدامات (شرکت) کی وجہ سے اسرائیل میں داخلے اور تل ابیب تک جانے میں رکاوٹ ہوگی۔

2۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے سے اصفہان سے ظاہر ہونے والے دجال (جو کئی یورپی اور مشرق وسطیٰ کے ممالک کا دورہ کرے گا اور مدینے پر بھی حملہ آور ہوگا) کی سفارتی و اخلاقی حمایت کرنا ہوگی جو مرزا قادیانی سے 1000 گنا بڑے 'جھوٹے مسیح' کی تائید کے مترادف ہوگی۔

3۔ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جو دمشق سے آئیں گے) کے ساتھ ہو کر (اور سفارتی و اخلاقی حمایت) اسرائیل پر حملہ آور ہونا ہے۔

4۔ بنی اسرائیل (یہود) اور اس کی ساری اتحادی قوتوں کو شکست ہونا ہے۔ گویا امریکہ، یورپ، مسیحی دنیا، ساری ملٹی نیشنلز، کُل مغربی میڈیا، تمام فلمی اداکار اور اداکارائیں، فلم انڈسٹری سے وابستہ تمام افراد، کرکٹ کی دنیا سے وابستہ بے حیائی کے نمائندے افراد، سیکس ورکر، تمام سیکولر،

لبرل اور دین دشمن اینکر پرسن، میڈیا سے متعلق افراد، تمام کرپٹ، حرام خور، سود خور اور مغرب کے ایجنٹ مسلمان اشرافیہ اور بیورو کریسی (سوائے جو دجال کے ظہور سے پہلے اسلام مخالف سوچ اور رویّوں سے سچی توبہ کرلیں) سب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دمشق میں آمد پر معجزانہ طور پر (STAR WARS کے ذریعے) دجال کے ساتھ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے جائیں گے تمام یہود قتل کر دیے جائیں گے۔ اسرائیل کو تسلیم کرنے سے اوپر درج باتوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عملی اقدامات کی بجائے ان کی مخالفت میں تباہی یقینی ہے۔

◐ اس وقت اسرائیل 'شر' کی علامت ہے اور اس کا ساتھ دینا حقیقی مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی نفی کرنا ہے اور دنیا اور آخرت خراب کرنا ہے۔ مزید برآں چودہ صدیوں کی بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل کی جنگ میں اب اسرائیل کو تسلیم کرنا اپنی شکست تسلیم کرنے کے علاوہ اپنے ماضی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، خلافت راشدہ، سقوطِ بغداد میں بنی اسرائیل کا کردار، جنوبی ایشیا میں مغلیہ سلطنت کا زوال، سکھوں کی حکومت کا قیام، انگریزوں کا دہلی پر قبضہ اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف صیہونی کارروائیاں اور بالآخر خلافت کے ادارے کا خاتمہ، فلسطین میں یہود کی آبادکاری اور اسرائیل کا قیام، 1967ء اور 1973ء کی اسرائیل کی جنگیں) پر پانی پھیرنے والی بات ہے۔ اور اسلاف سے قطع تعلق کرنے کے مترادف ہے اور عصر حاضر میں UNO کے نام پر اور انسانی حقوق اور بقائے باہمی کے خودساختہ اصولوں پر ملکوں کو تسلیم کرنے کی ZIONIST پالیسیاں اختیار کرنے سے اپنی دینی شناخت کھونے کے مترادف ہے۔

مزید برآں اسرائیل کو تسلیم کرنا ___ تحریک آزادی اور قیامِ پاکستان کی جدوجہد، دوبارہ اسلام کے عالمی غلبے اور خلافت راشدہ کے ادارے کا احیاء کی سنہری پیغمبری پیش گوئیوں اور قرآنی تصورات سے بھی ہاتھ دھونے کے مترادف ہے اور پاکستان کو صفحۂ ہستی سے خود مٹانے کی دستاویز پر دستخط کرنے کے برابر ہے۔ نیز مبشّر پاکستان علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے یہود اور اسرائیل سے متعلق واضح نظریات کے بعد، خان لیاقت علی کے امریکی کانگریس میں ''اسرائیل کو تسلیم کرنے پر پاکستان کے سارے معاشی مسائل حل کر دیں گے'' کے جواب میں "GENTLE MEN, OUR SOULS ARE NOT FOR SALE" کہنے پر سجدۂ سہو

کرنے کے برابر ہے۔

عالم اسلام اور پاکستان کی مسلمان اشرافیہ کے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ تاریخ کے بہاؤ میں جب دین 'قیام' کا تقاضا کرتا ہے ہم مغربی آقاؤں اور بنی اسرائیل کے عالمی دجّالی ZIONIST منصوبوں (از قسم مدینے پر حملہ، کعبہ کو گرانے کی کوشش، وسیع تر اسرائیل کے قیام کے لیے آپ ﷺ کے دور کے مدینہ کو اس میں شامل کرنا وغیرہ) کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے مطالبے کو مان کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اور ہمارے پاس مسلمان رہنے کی دلیل کیا ہوگی۔

اسرائیل کو تسلیم کرنا قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق، دوسرے لفظوں میں یہودیّت کے نظریات قبول کر کے بنی اسرائیل کا ہم مذہب بن کر دنیا میں تباہی اور آخرت میں جہنم جانے کی کوشش ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾

''اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ تم ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لو۔ اور (اے پیغمبر) اگر آپ اپنے پاس علم (یعنی اللہ کی وحی) کے آجانے کے بعد بھی ان کی خواہش پر چلو گے تو آپ کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں بنی اسرائیل کے راستے پر چلنے اور ان سے دوستی کرنے اور ان کی چالوں سے بچائے۔ آمین۔

نٓ : آج کے بنی اسرائیل فلسطین کے دیوارِ گریہ پر جا کر پیغمبر اسلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس ویب سائٹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

https://www.youtube.com/watch?v=KTl15GQeP0E

عصرِ حاضر کے دھندلکوں میں
قرآن وسُنّت کا انقلابی زاویۂ نظر

خشتِ اوّل

کرنل (ر) انجینئر اشفاق احمد

دورِ حاضر میں جدید مغربی دنیا اور اس کی پروردہ علمی ذُرّیّت ایک ایسے ”نظریاتی دَور اور فلسفیانہ سانچے“ (Philosophical Matrix) کی تعمیر مکمل کر چکے ہیں کہ جس کی گہری تفہیم ہمارے آج کی تحقیقِ حق اور مراجعتِ حق (Course Correction) میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ظاہری گھن گرج کے باوجود روایتی مذہبی گھرانے بھی حقیقی دینی ذوق سے محروم ہو چکے ہیں جبکہ جدید تعلیمی حلقوں میں لادینیت، خدا بیزاری اور متنوّع شیطانی فکر و رواج آسانی سے جڑ پکڑ رہے ہیں۔ عالمِ اسلام کی اشرافیہ تو دنیا میں مسلم خون کی ارزانی دیکھنے اور نوشتۂ تقدیر واضح ہو جانے کے باوجود بھی طاغوتی گنگا میں خوب ڈبکیاں لگانے میں مگن ہے۔ ترقی یافتہ دنیا میں فہیم طبقہ اِس کو ”عہدِ مابعد از سچائی“ (Post Truth Era) کے نام سے جانتا ہے اور عصرِ حاضر میں اِس دور کے ’مخصوص تقاضوں‘ کو ماضی سے جُدا پہچان کر اِس کے الگ اصول و ضوابط مرتّب کر رہا ہے۔ اسی علم کی بدولت وہ جان پایا ہے کہ آج دنیا جس اندھا دھند رخ پر چل رہی ہے، اس کی حیات 100 سال سے زیادہ باقی نہیں رہ گئی۔ (سٹیفن ہاکنگ)، بلیٹن آف ایٹامک سائنٹسٹس نے 2020ء کو ”روزِ قیامت کے گھڑیال“ (Doomseday Clock) کے ذریعے انسانی تاریخ کا تباہ کن ترین سال قرار دیا ہے، گلیشیرز کے پگھلنے، سمندروں کی سطحِ آب بلند ہونے، سمندری اور جنگلی حیات کے معدوم ہونے اور آبی و ماحولیاتی آلودگی کی خوفناک رفتار کی وجہ

سے 'عالمی ایکوسسٹم' تاریخ کی نازک ترین نہج پر پہنچ چکا ہے۔ آکسفیم (OXFAM) کی رپورٹ برائے 2020ء کے مطابق دنیا کے ایک فیصد امیر ترین لوگوں کے پاس باقی ماندہ 99 فیصد سے بے حد زیادہ دولت کا ارتکاز ہو چکا ہے جبکہ 99 فیصد عالمی آبادی کو بچی کھچی ایک فیصد دولت پر گذر بسر کرنی ہے، جس کی وجہ سے عالمی غربت و افلاس اور مالی عدمِ مساوات کے تمام ریکارڈ ٹوٹ چکے ہیں۔ مگر انتہائی دردناک حقائق اور غیر مبہم اعداد و شمار کے باوجود، پُراسرار، پُرفریب مگر انتہائی ظالم عہد میں عالمی ذہن سازی اتنی مکمل ہو چکی ہے کہ سچائی تک رسائی پر کڑے پہرے بٹھا دیے گئے ہیں۔ اب جہدِ مسلسل اور انتھک ذوق کے بغیر اس کی حقیقت کو پہچاننا ایک خواب سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے یہ نکتہ ناخوشگوار مُسکراہٹ بکھیر دے گا کہ جس دور کو وہ انسانی تاریخ میں ''فن و معلومات کا ہمالیہ'' اور بے مثال ''ڈیجیٹل ایج'' سے موسوم کرتے ہیں، اسی کو وہ گراں مایہ دور کو کیونکر ''دورِ فریب و دَجل'' تسلیم کر لیا جائے؟؟؟

اگرچہ کھلی آنکھوں سے غفلت و گمراہی کا سیلِ رواں آج کا عام نظارہ ہے اور باوجود اس حقیقت کے کہ بعثتِ مصطفیٰ ﷺ کے بعد سے تا قیامت، فلاحِ انسانی کا علَم ''اُمتِ محمدیہؐ'' کے حوالے ہے، حالاتِ حاضرہ گواہ ہیں کہ یہی 'گروہِ شرفِ انسانی' بے شمار ڈگریوں اور دنیاوی مال و متاع کے باوجود، مخلوقِ عالم کی رہبری کرنا تو دور کی بات ہے، واقعاتِ عالم میں کوئی قابلِ فخر کردار ادا کرنے سے بھی قاصر ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کے 50 سے اوپر خود مختار ممالک موجود ہیں، اسلام دنیا میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب گردانا جاتا ہے، (کرونا کی وباء اور اس کے اثرات سے قطعِ نظر) مسجدوں، نمازیوں اور عازمینِ حرمین شریفین کی تعداد غیر معمولی ہے اور تمام مذاہبِ عالم میں اکیلے اسلام ہی کے حقیقی ماخذ (قرآن و سنّت) اور مقدّس مقامات اپنے حسنِ کمال و جمال سے زندہ ہیں، مگر پھر بھی منصبِ رہبری کی بجائے عالمِ اسلام پر ذلّت و رُسوائی کی انمٹ چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ چونکہ اللہ کا قانون بدلتا ہے اور نہ ہی یہ حادثات و اتفاقات کی دنیا ہے، مسلمانانِ عالم کی زبوں حالی اور دگرگوں صورتحال واضح کرتے ہیں کہ عصرِ حاضر میں عالمِ اسلام 'آفاقی قانونِ عروج' سے ناآشنا ہو چکا ہے، کامیابی کے محاذِ جنگ سے صرفِ نظر کر رہا ہے اور احساسِ زیاں سے بھی عاری ہو چکا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

منزل و مقصودِ قرآں دیگر است رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

(یعنی قرآن کی منزل اوراس کا مقصود الگ ہیں جبکہ دورِحاضر کے مسلمان کے رواج وطرزِ زندگی الگ ہو چکے ہیں)

آگے بڑھنے سے پہلے 'قرآن وسنت' سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں تاکہ عصر حاضر میں حقیقت کی جستجو اور منزلِ مراد کے لیے 'فکر ونظر' میں ناگزیر وسعت پیدا ہو جائے۔ نبی آخرالزّمان ﷺ نے 'خیر اُمت' کو لاوارث نہیں چھوڑا بلکہ اس کے لیے روح پرور بشارت فرمادی ہے کہ ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، تم اس وقت تک گمراہ نہیں ہوگے جب تک کہ انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے: ایک کتاب اللہ (قرآن عالی شان) اور دوسری میری سنت۔'' (مؤطاامام مالک)۔

قرآن عالی شان بنی نوع انسان کے لیے آخری آفاقی کلام اور اُمتِ محمدیہؐ کے لئے کتابِ ہدایت ہے جس میں کریم اللہ ہمیں قبل از وقت خبردار فرماتا ہے کہ:

☆ ''اے ایمان والو! تم وہ کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟'' (۶۱:۲)

☆ ''اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے کے پورے اور نہ چلو شیطان کے نقشِ قدم پر، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (۲:۲۰۸)

☆ ''اللہ حامی و مددگار ہے اُن لوگوں کا جو ایمان لاتے ہیں، نکالتا ہے اُن کو ظلمات (تاریکیوں) سے نور کی طرف اور وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اُن کے حامی و مددگار طاغوت ہیں، جو نکالتے ہیں اُن کو نور سے تاریکیوں کی طرف۔'' (۲:۲۵۷)

☆ ''اُس (ابلیس) نے کہا (اے اللہ) تیری عزّت کی قسم! میں ان سب (جن وانس) کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔'' (۳۸:۸۲)

☆ ''اگر اللہ لوگوں میں سے ایک گروہ کو دوسرے سے دفع نہ کرتا رہتا تو (راہبوں کی) خانقاہیں اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کی) عبادت گاہیں اور (مسلمانوں کی) مسجدیں سب ڈھادی جاتیں جہاں پر خوب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔'' (۲۲:۴۰)

☆ ''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے، چاہے کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔'' (۹:۳۲)

☆ ''بر و بحر میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔'' (۴۱:۳۰)

☆ ''جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ فساد فی الارض نہ پھیلاؤ، (تو جواباً) وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف امن والے ہیں۔'' (۱۱:۲)

☆ ''اے اہلِ کتاب! حق و باطل کو جانتے بوجھتے کیوں خلط ملط کر رہے ہو اور کیوں حق کو (ناحق) چھپا رہے ہو؟'' (۳:۷۱)

☆ ''ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں جو اُس کا سر کچل کر رکھ دیتا ہے، پس وہ (باطل) نابود ہو کر رہے گا'' (۲۱:۱۸)

اور ☆ ''............اور اگر تم (حکمِ الٰہی سے) منہ پھیر لو گے تو وہ تمہیں دوسری قوم سے بدل دے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔'' (۴۷:۳۸)۔

نبی آخر الزّمان ﷺ نے دورِ فتن کی بے انتہا سنگینی اور پُر فریب مصائب و آلام کے پیشِ نظر، اپنی اُمتِ مرحومہ کو بیش بہا راہنما اصولوں کی پُر مغز تعلیم فرمائی ہے۔ فرمانِ رحمت للعالمین ﷺ ہے:

☆ ''اے لوگو! اعمالِ خیر کرنے میں جلدی کرو، اُن فتنوں سے پہلے جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ہر طرف چھائے ہوئے ہوں گے۔'' (صحیح مسلم)،

☆ ''میں فتنوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ بارش کے قطروں کی طرح تمہارے گھروں پر ٹپک رہے ہیں۔'' (صحیح بخاری)

☆ ''تباہی ہے عربوں کے لیے اس بلا سے جو قریب آ لگی ہے، آج یاجوج و ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ کھل گیا ہے۔'' (متفق علیہ)

☆ ''اب جو بھی وقت آئے گا، اس سے بعد والا وقت اس سے بدتر ہوگا۔'' (صحیح بخاری)

☆ ''(میرے بعد) اسلام کی کڑیاں ایک ایک کر کے ضرور ٹوٹیں گی، چنانچہ جب ایک کڑی ٹوٹے گی تو لوگ اس کے بعد والی کڑی کو پکڑ لیں گے (یعنی مسلمان باقی ماندہ شعبوں پر مطمئن ہو جائیں گے)۔'' (شعب الایمان)

☆ ''ابتداء میں اسلام اجنبی تھا، عنقریب یہ (اسلام) پھر اجنبی ہو جائے گا۔'' (صحیح مسلم)

☆ ''قیامت سے پہلے ایسا زمانہ ہوگا جس میں جہالت نازل ہوگی، علم (حلال حرام اور صحیح غلط

کے امتیاز کا علم یعنی علم الفرقان) اُٹھا لیا جائے گا اور ھرج (یعنی بے انتہاء خون خرابہ وقتل وغارت) ہوگا۔'' (صحیح بخاری)،

☆ ''حضرت آدمؑ سے لیکر قیامت تک، بنی نوع انسان کیلئے دجّال سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں'' (صحیح مسلم)

☆ ''لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ قاتل کو پتا نہیں ہوگا اُس نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو بھی پتا نہیں ہوگا کہ اُسے کیوں قتل کیا گیا ہے۔'' (صحیح مسلم)،

☆ ''بیت المقدس کی آبادی مدینہ کی ویرانی ہوگی، مدینہ کی ویرانی ملحمہ (یعنی جنگ وجدل اور فتنوں) کا ظہور ہوگا، فتنوں کا ظہور قسطنطنیہ کی فتح ہوگی اور قسطنطنیہ کی فتح دجّال کا خروج ہوگا۔'' (سنن ابی داؤد)

☆ ''خروجِ دجّال سے پہلے چند سال دھوکے اور فریب کے ہوں گے، سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا کہا جائے گا، خائن کو امانتدار اور امانتدار کو خائن قرار دیا جائے گا اور اُن میں رویبضہ بات کریں گے، پوچھا گیا رویبضہ کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: گھٹیا (فاسق وفاجر) لوگ جو (دوسرے) لوگوں کے اہم معاملات پر رائے زنی کریں گے۔'' (مسند احمد)

اور ☆ ''خروجِ دجّال کے بعد کسی کا ایمان لانا اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔'' (صحیح مسلم)

قرآن وسنت کے مندرجہ بالا حوالوں کی روشنی میں عصری حقائق کو جوڑ کر جب ہم اپنے عہد کو پہچاننے کی جستجو کریں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اِنکارِ ابلیس سے جاری 'معرکہ خیر وشر' (حق و باطل) اِس سمے اپنی انتہاء کو چھو رہا ہے جہاں عالمِ انسانی انتہائی غیر معمولی، کٹھن ترین اور سنگین ترین مقام پر آن پہنچی ہے۔ وقت کی نبض پر ہاتھ رکھیں تو ایسا لگتا ہے کہ انسانیت اپنی ہزاروں سالہ تاریخ کے 'سب سے تباہ کن شکنجے' میں کسی جانے والی ہے یعنی دجّال (جو کہ شیطان کا سب سے بڑا سپہ سالار ہے) کے خروج اور ملحمۃ الکبریٰ سے ذرا پہلے کی 'آخری گھڑیاں' چل رہی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ اکلوتی اور کامل ترین آسمانی علم کی حامل قوم (یعنی اُمتِ محمدیہ ؐ) اپنی ذمّہ داریوں سے غافل اور بظاہر دستبردار ہو چکی ہے۔ اس گھمبیر ترین صورتحال کے نتائج واضح ہیں:

اوّل: عالمِ اسلام کے پاس توبہ واستغفار، مراجعتِ حق اور عالمی منصبِ رہبری کی عظیم ترین ذمہ داری اُٹھا لینے کی 'مہلتِ وقت' بالکل ختم ہونے کو ہے۔ کوئی نہیں جان سکتا کہ اس کے

بعد اللہ اپنی قدیمی سنت کے عین مطابق موجودہ خواص و کثیر عوام کو نشانِ عبرت بنا کر کس قوم کو عالمی منصبِ رہبری جیسے عظیم ترین اعزاز کا حق دار بنائے گا (مثلاً عربوں کے بعد احکم الحاکمین نے عثمانی ترکوں کو یہ فضیلت عطا فرمادی تھی)۔

دوم: دنیا 'فساد فی الارض' کی آخری انتہاء کی طرف تیزی سے لپک رہی ہے، تاریخ عالم گواہ ہے کہ پھرنا گھاں، اللہ کا ''دائمی قانونِ عذاب'' وقوع پذیر ہوجاتا ہے۔ چونکہ نبی آخرالزّمان ﷺ کی نبوّت 'عالمگیری' ہے اور موجودہ فساد فی الارض بھی ''ہمہ گیر و ہمہ جہت'' ہے، پس اس پر تاریخِ انسانی میں پہلی مرتبہ ''عالمگیری عذاب'' (ملحمۃ الکبریٰ) کا خطرہ منڈلا رہا ہے اور اس میں پہلی مرتبہ طرفین ایٹمی ہتھیاروں کا آزادانہ استعمال کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

فطرت افراد سے اِغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

سوم: مدینہ کی ویرانی (موجودہ کرونا وباء سے بہت پہلے ہی عالمگیری سطح پر اہم ترین فیصلوں میں مدنی غیر موجودگی) اور مقبوضہ بیت المقدس (یروشلم) کی بزورِ شمشیر اسرائیلی آبادکاری کے بعد عالمی مرکزِ سیاست وسفارت بن جانا، عنقریب ملحمۃ الکبریٰ (Armageddon) اور خروجِ دجّال کا نقارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

عصرِ حاضر کی گتھی سلجھانے اور معاملاتِ عالم کی جامع تفہیم کی حکمتِ عملی نمبر 1
'قرآنی نقطوں کو جوڑ کر عظیم تر تصویر بنانا' (سورۃ الفیل کی مثال)

قرآن عالی شان کے آفاقی وابدی کلام ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اِس کے قاری کی نگاہ عالمگیری اور پُر فراست ہوگی۔ یہی حقیقت بزبانِ حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!

سورۃ الفیل میں ایک ایسے مشہور تاریخی قصّے کا بیان ہے جس میں یمن کے عیسائی بادشاہ (ابرہہ) کے لشکرِ جرّار اور ہاتھیوں کے جتھے کے ساتھ مکہ پر حملے آور ہونے کو نامراد و ناکام بنانے کے لیے غیر معمولی آسمانی عذاب (کنکریوں سے لیس پرندوں کے جُھنڈوں) اور رعونت زدہ لشکر کا معمولی پرندوں کے ہاتھوں بیت اللہ سے تقریباً 7 کلومیٹر دور منیٰ کے قریب 'وادئ محسّر' میں سامانِ

عبرت بنا دیے جانے کا پُر ہیبت تذکرہ ہے۔

یہ مشہور ہے کہ ابرہہ (شاہِ یمن) ایک لشکرِ جرّار (ہزاروں سپاہیوں، بعض روایات میں 60,000 کی سپاہ کا ذکر ملتا ہے) اور تقریباً درجن بھر ہاتھیوں کی بھاری بھرکم افواج کے جلو میں کعبۃ اللہ کو ڈھانے کے لیے حملہ آور ہوا تھا۔ اگر اسی مشہور روایت پر اکتفاء کریں اور حکمِ خداوندی کے مطابق گہرا تدبّر کریں تو چند ہی سوالات اس قصّے کے چشم کشا پہلوؤں سے صدیوں کے پڑے پردے ہٹا دیتے ہیں۔ انتہائی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ محض ماضی کی ایک داستان نہیں دہرا رہا بلکہ ہمیں مربوط قرآنی تفہیم کے ذریعے ماضی، حال اور مستقبل کے 'یکجان نقشوں' کے ساتھ کامل راہنمائی فرما رہا ہے۔ آیئے مختصراً چند اہم ترین سوالات کے ذریعے قرآنی نقطوں کو جوڑ کر 'عظیم تصویر' بنانے اور قرآن کا انقلابی فہم پانے کی عاجزانہ سعی کرتے ہیں:

پہلا نقطہ: کعبۃ اللہ کے ساتھ نزولِ ابابیل (آسمانی عذاب) کی سنتِ الٰہیہ کو ''محدود و مخصوص'' سمجھیں تو باقی جن اوقات میں کعبۃ اللہ کی بے حرمتیاں سرزد ہوئیں وہاں اِسی سنت کی غیر موجودگی 'ذہنی بھونچال' مچا دیتی ہے۔ حالانکہ یہ اظہر من الشّمس ہے کہ اللہ اپنی سنت نہیں بدلتا تو پھر مندرجہ ذیل مشہور واقعات کے دوران آسمانی عذاب کیونکر نازل نہیں ہوا اور ابابیلیں کیوں نہیں آئیں؟؟؟

(۱) ۶۸۳ء میں پہلے مکی محاصرے کے دوران آگ بھڑکنے سے کعبۃ اللہ کو سخت نقصان پہنچا۔

(۲) ۶۹۲ء میں دوسرے مکّی محاصرے کے دوران منجنیقی پتھروں سے کعبۃ اللہ کی دیواروں کو شدید ترین نقصان پہنچایا گیا۔

(۳) ۹۳۰ء میں دورانِ حج قرامطیوں نے قتلِ عام کیا اور کعبۃ اللہ کو سخت مجروح کر کے، حجرِ اسود کو نکال کر لے گئے۔

(۴) ۱۹۷۹ء میں کعبۃ اللہ کے آس پاس دو ہفتے تک قتل و غارت کے دوران عماراتِ مقدّسہ کو شدید نقصان پہنچتا رہا۔

دوسرا نقطہ: عام تاثر کے مطابق کیا شاہِ یمن ابرہہ 'وقتی طیش' میں آ کر اپنے کلیسا کی نام نہاد بے حُرمتی کا بدلہ لینے، حرمِ کعبہ کو ڈھا کر اپنے کلیسا کی مرکزیت قائم کرنے یا کسی زبردست معاشی منصوبے کی تکمیل کے لیے کعبۃ اللہ کو ڈھانے والے ہلاکت خیز پروگرام پر عمل پیرا ہو گیا تھا؟ یہ تینوں مغالطے

مندرجہ ذیل امور پر غور کرنے سے بآسانی رفع ہو جاتے ہیں اور کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ یہ انتہائی 'نپا تُلا شیطانی منصوبہ' تھا جو کہ ظاہری محرّکات سے بڑھ کر ہمہ گیر و خوفناک تھا:

(۱) یمنی شہر صنعاء سے مکّہ مکرّمہ کا زمینی فاصلہ تقریباً 1000 کلومیٹر تھا اور اس طویل کٹھن 'صحرائی راستے' پر ایک ٹن وزنی اونٹ اپنے مخصوص پاؤں کی بدولت بآسانی چل سکتا تھا۔ البتہ اوسطاً 4 سے 6 ٹن وزنی ہاتھیوں کے جتھے کا اپنے دھنسنے والے پاؤں کے ساتھ طویل ریتیلے راستے پر چلنا کسی معرکے سے کم نہیں ہے۔ نیز سورۂ مبارکہ کے نام 'الفیل' سے ایک انتہائی غیر معمولی 'محمود' نامی ہاتھی کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے جو کہ اندازاً ڈیل ڈول میں عام ہاتھیوں سے خوب بڑھ کر ہوگا۔ پس ان کٹھن ترین زمینی حقائق کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا زیادہ دُشوار نہیں رہ جاتا کہ جنگی سپاہ طویل ترین سفر کے دوران ''ہاتھیوں کی ہنگامی گذرگاہ'' تیار کرتی رہی، جو کہ ازخود ''عظیم ترین جنگی بندوبست'' ہے۔ صنعاء کے قریب ایسی پتھریلی گذرگاہ کے شواہد بھی ملے ہیں۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ ہنگامی یا اشتعالی پروگرام نہیں تھا بلکہ ''انتہائی سوچا سمجھا شعوری اور کامل منصوبہ بندی پر مبنی سنگین ترین شیطانی پروگرام'' تھا۔

(۲) ابرہہ کی کعبۃ اللہ کو ڈھا کر اپنے کلیسا کی مرکزیت قائم کرنے والی دلیل اس وجہ سے بودی ثابت ہو جاتی ہے کہ تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ کسی کے احساسات و جذبات کو گھائل کر کے یا مذہبی علامات کو پامال کر کے کوئی آج تک دوسری قوم کی محبت و وفاداری نہیں پا سکا۔ پس 15 سالوں تک رموزِ حکمرانی سے بخوبی آگاہ، شاہِ یمن سے ایسی عامیانہ سوچ کی توقع محال ہے۔

(۳) اہلِ مکّہ کے لیے حرمِ کعبہ کی خدمت 'عزّت و وقار' کی حامل تھی اور ان کی معیشت کسی حد تک زائرینِ کعبہ کی آمدورفت سے جڑی بھی تھی۔ مگر معیشت کے استحکام کے لیے وہ شدید موسمی و صحرائی مصائب کے باوجود یمن وشام کے دو سفر کرتے تھے (بحوالہ: سورۃ القریش)۔ چنانچہ 'یمن' جیسے بڑے مرکزِ تجارت پر پہلے سے ہی قابضین کا مکّہ مکرّمہ کی 'موسمی معیشت' سے کسی غیر معمولی استفادے کا امکان معدوم ہو جاتا ہے اور پھر اسی کمزور بنیاد پر 'عظیم الشان جنگی حکمتِ عملی' اختیار کر لینا صریحاً ناقابلِ فہم بن جاتا ہے۔

تیسرا نقطہ: سورۂ مبارکہ کا نام 'الفیل' اور 'اصحابِ الفیل' یعنی فیل بان جتھے کا خصوصی قرآنی تذکرہ

اس لحاظ سے انتہائی دلچسپ صورتحال اختیار کر جاتا ہے کہ ملّہ مکرّمہ میں مقابلے کے لیے نہ تو کوئی غیر معمولی ہتھیار تھا، نہ خطہ عرب میں ہاتھیوں کی لڑائی کی کوئی تاریخ تھی اور نہ ہاتھی کوئی صحرائی جانور ہے۔ مزید برآں غیر معمولی طاقتور اور بھاری بھرکم لشکر (60,000) کے مدّمقابل کوئی قابلِ ذکر فوج بھی نہ تھی، حتیٰ کہ 5 عشروں کے بعد بھی غزوۂ بدر میں کفّارِ ملّہ کی تعداد 1000 جنگجوؤں سے نہ بڑھ سکی۔ یہاں اہم ترین سوال اٹھتا ہے کہ آخر کعبۃ اللہ کی ایک پتھروں سے بنی عمارت گرانے کا اتنا غیر متوازن اور عظیم الشان بندوبست کیا معنی رکھتا ہے؟

چوتھا نقطہ: اللہ ظالم قطعی نہیں ہے اور پھر وہ 'نا کردہ گناہوں' پر تو عام پکڑ بھی نہیں کرتا۔ اسی ازلی اصول کے مطابق اگر ابرہہ کا ارادہ 'کعبۃ اللہ' ہی ڈھانا تھا تو یہ 'قابلِ گرفت جُرم' تو اس سے سرزد ہی نہیں ہوا، پھر 'آسمانی عذاب' کے نزول کا جواز و گناہ کیا ہے؟

پانچواں نقطہ: اگر کعبۃ اللہ کی مشہور و معروف عمارت ڈھانے جیسا 'واضح ترین منصوبہ' تھا کہ جس کے لیے زبردست جنگی تیاریوں کا شہرہ دور دراز تک پھیلنا اور طویل سفر کے دوران قبائلی حلیفوں کے ذریعے کھلی اطلاعات کا قرب و جوار میں پہنچنا بعید از قیاس نہیں ہے تو پھر الحکیم والعلیم اللہ نے 'کَیْدَھُم' کی خصوصی اصطلاح سے لشکرِ ابرہہ کے کس 'داؤ (یعنی ڈھکی چھپی سازش یا گہری چال) کی 'غیر معمولی نشاندہی' فرمائی ہے اور اس 'انتہائی معنی خیز قرآنی کلام' میں پھر کونسی عظیم تر حکمت ربّانی کا انکشاف مقصود ہے؟

حتمی نقطہ: اتنا سنگین ترین واقعہ کہ جس میں اللہ نے اپنی 'سنتِ عامہ' کو معطّل کر کے 'سنتِ خاصہ' (آسمانی نصرت) کو نافذ کر دیا، پھر اس پر پوری سورۂ مبارکہ ایسے اسلوب میں نازل فرمادی کہ جس میں ایک حرف یا کلمہ بھی اس واقعہ سے خارج نہیں ہے، کیا محض ایک تاریخی قصّے کا بیان ہے؟ کیا ایسی نظیر پورے قرآن عالی شان میں کہیں اور بھی موجود ہے؟ اگر نہیں تو اِس غیر معمولی اسلوب میں جو راز پنہاں ہے، اُس کی حقیقت کیا ہے؟

خبردار! ہمارا ربّ حادثاتی و واقعاتی ہے، نہ اسباب وعلل کی دنیا میں اتفاقات کا گذر ہوتا ہے اور نہ ہی کبھی اللہ اپنی سنت کو تبدیل کرتا ہے۔ اس لیے مندرجہ بالا غیر معمولی تناظر میں یہ جاننا ناگزیر بن جاتا ہے کہ وہ کون سے غیر معمولی حالات و واقعات ہوتے ہیں کہ جب تاریخِ

انسانی میں اللہ اپنی 'سُنّتِ عامّہ' کو معطل کر کے 'سُنّتِ خاصّہ' کو نافذ فرما دیتا ہے۔ اگرچہ اللہ قادر و مقتدر ہے کہ وہ ہر لمحہ (یا جب چاہے) اپنی 'سُنّتِ عامّہ' کو معطل کر کے 'سُنّتِ خاصّہ' کو نافذ فرما دے لیکن وہ اپنی حکمتِ بالغہ سے 'اِس مخصوص عمل کو مخصوص حالات' تک محدود رکھتا ہے۔ قرآن عالی شان کے مدبّرانہ مطالعہ سے یہ حقیقت آشکارہ ہو جاتی ہے کہ اللہ اپنی 'سُنّتِ خاصّہ' کو عموماً 'فساد فی الارض' تک محدود رکھتا ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔ 'فساد فی الارض' ایک جامع قرآنی اصطلاح ہے جو عموماً ایسے گمبھیر ترین حالات کو ظاہر کرتی ہے کہ جب روئے زمین پر شیطانی عملداری اس طرح رسوخ و نفوذ کر جائے کہ ایمانی زندگی کی حیات و بقاء ہی ناممکن بن جائے (مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا واقعۂ سیلاب، قومِ لوطؑ اور دیگر سرکش اقوام پر نزولِ عذاب، قصّہ اصحابِ کہف) یا جب اللہ کے عظیم ترین آفاقی منصوبے میں 'طاغوتی رخنہ اندازی' مقرّر کردہ ربّانی حدود و قیود سے متجاوز ہونے کی جسارت کر گذرے (مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ نار، واقعہ رفعِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام)۔

اس مخصوص قرآنی تناظر میں جب سورۃ الفیل کے سیاق و سباق اور اس دور کے زمینی حقائق پر تدبّر کرتے ہیں تو رفعِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے 600 سالوں کے فاصلے پر تمام روئے ارض پر جہالت اور شیطنت کا بازار گرم ہو چکا تھا، اللہ وحدہٗ لاشریک کی سچی عبادت کا حق ادا کرنے والا کوئی ایک فرد بھی باقی نہ تھا، کہیں بُت پرستی تھی تو کہیں مجوسیت کا چرچا تھا اور دنیا سے توحید کی تمام نشانیاں مٹ چکی تھی حتیٰ کہ توحید کے نام نہاد متوالے توحید کی 'آخری علامت' (یعنی بیت اللہ) تک میں 360 بتوں کو پہنچا چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مواحد تعلیمات کے برخلاف 'شرکیہ تثلیثی مسیحیت' آدھی دنیا پر اپنے سائے پھیلاتی ہوئی، جزیرہ نُما عرب میں بھی یمن تک قبضہ جما چکی تھی۔ اس طرح شیطان قرنوں کی ریاضت سے نوعِ انسانی کو شرک، جہالت اور گمراہی کے اندھے پھندوں میں جکڑ چکا تھا۔ المختصر پوری دنیا میں عقائد مسخ ہو چکے تھے، شیطانی عملداری تھی، ایمانی زندگی کی حیات و بقاء کی اُمید دم توڑ چکی تھی اور 'فساد فی الارض' کا نقارہ بج چکا تھا۔ 'چونکہ آسمانی عذاب' کے نزول کی 'غایت و علت' کا سامان مکمل ہو چکا تھا، اب کسی بھی لمحے درِ مہلت بند ہونے اور آسمانی اُفتاد کے نزول کے قوی امکانات تھے۔

طویل تاریخِ انسانی میں پہلی مرتبہ ''مکمل شیطانی راج'' کے دیرینہ خواب کی جلد از جلد

تعبیر کے لیے، شیطان نے اپنا سب سے بڑا عصری ایجنٹ (ابرہہ) میدان میں اُتارنے اور اُس کے ہاتھوں توحید کی آخری نشانی (کعبۃ اللہ) کو مٹا دینے کے لیے 'عظیم الشان جنگی حکمتِ عملی' تیار کی۔ یہ عاجزانہ زاویہ نظر یہاں اپنے 'نکتہ منتہا' پر پہنچا چاہتا ہے کہ اس جنگی حکمتِ عملی کا ایک مقصد کعبۃ اللہ کو ڈھانا ضرور تھا مگر یہ کلیدی نہیں بلکہ ثانوی مقصد تھا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ لشکرِ ابرہہ کے جائے مقصود پر پہنچنے اور 'عملِ تخریب' سے پہلے ہی آسمانی عذاب نازل ہوگیا۔ اب ہم 'وجوبِ عذاب' اور ابرہہ کی جنگی حکمتِ عملی کی چوٹی کے انکشاف کے لیے ایک قدم آگے بڑھتے ہیں۔

شیطانِ لعین حالانکہ (گذشتہ صحائفِ آسمانی کی بدولت) نبی آخرالزّمان ﷺ کی متوقع آمد سے باخبر تھا (۶۱:۶) اور آپ ﷺ کو 'عظیم ترین ربّانی منصوبے' کی معراج کی حیثیت سے جانتا بھی تھا (۵:۳) مگر یہاں اُس سے 'ہلاکت خیز چوک' ہوگئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک جانب تو شیطانِ لعین (محاورتاً سر پٹکنے کے باوجود) تاریخِ انبیاء میں پہلی مرتبہ 600 سالہ طویل ترین 'توقفِ نبوّت' کی حکمت و غایت نہیں سمجھ پا رہا تھا اور دوسری جانب 'غیر معمولی آسمانی سکیورٹی پروٹوکال' اور مکّہ میں نسلِ ابراہیمؑ میں سب سے سعادت مند فرد حضرت عبداللہؓ کی پیشانی میں نورِ نبوّت سے سخت خوفزدہ تھا (بحوالہ: سیرت کی کتب میں اُن کی پاکدامنی پر وار کرکے داغدار کرنے کی ناکام ابلیسی کوششیں)۔ اس پس منظر میں سورۃ الجن کی ان آیات میں ابلیسی صفوں کی بے مثال نفسیاتی وتذویراتی منظرکشی دکھائی دیتی ہے:

> ''اور انہوں نے بھی تمہاری طرح یہی گمان کرلیا تھا کہ اللہ اب کسی (رسول) کو مبعوث کرنے والا نہیں ہے۔ اور جب ہم نے آسمانوں کو ٹٹولا تو اُسے مضبوط پہرے داروں اور سخت شعلوں سے پٹا ہوا پایا۔ اس سے قبل ہم آسمانوں میں سُن گُن کی جگہوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے، مگر اب جو بھی کان لگاتا ہے تو ایک شہابِ ثاقب کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا اُن کے ربّ کا ارادہ اُن کے ساتھ راہِ راست دکھانے (یعنی بھلائی) کا ہے۔'' (۷۲:۷-۱۰)

شیطانِ لعین چونکہ تاریخِ انبیاء اور تاریخِ بغاوتِ انسانی وعذابِ الٰہی سے بخوبی آشنا و قدیمی گواہ تھا، اس لیے جب مندرجہ بالا صورتحال منکشف ہوگئی تو اس واقفِ راز نے نتیجہ اخذ کیا کہ

جب بھی آسمانی سکیورٹی کے ایسے 'غیر معمولی انتظامات' ہوتے ہیں تو یہ دو میں سے ایک اَمرِ ربّی کا اعلان ہوتا ہے: (۱) عذابِ الٰہی یا (۲) آمدِ نبیؐ رحمت۔

یہ بعید از قیاس نہیں کہ اس موقع پر 'ابلیس کی مجلسِ شوریٰ' پر کیا قیامت گذری ہوگی؟؟؟ مزید برآں شیطانِ لعین نے اس تہلکہ خیز صورتحال کو جب ربّانی سنت [اور ہم کبھی کسی (قوم) کو عذاب نہیں دیتے جب تک کہ (اس میں) کوئی رسول نہ بھیج لیں۔ ۱۷:۱۵] سے ملا کر جانچا تو اس کو غیر معمولی آسمانی پروٹوکال میں نبی آخر الزّمان ﷺ کے 'میلاد' (یعنی ولادتِ باسعادت) اور نتیجتاً اپنے کامیاب ہوتے منصوبے کی حتمی موت نظر آ گئی۔ پس شیطانِ لعین نے 'اوچھا ترین داؤ' چلنے کا خوفناک فیصلہ کیا اور حضرت بی بی آمنہؓ کے 'وضعِ حمل' سے پہلے ہی اپنا سارا جنگی ساز و سامان مکّہ معظّمہ میں جھونک دینے پر تُل گیا۔ اسی تناظر میں اُس نے اپنے 'عصری سپہ سالار' (شاہِ یمن) کے زیرِ قیادت لشکرِ جرّار اور 'غیر معمولی صلاحیتوں سے مالا مال الفیل' سمیت فیل بان جتھے کو مکّہ معظّمہ کی طرف فوری روانہ کر دیا۔ 60,000 کا کثیر لشکرِ شیطانی، مکہ معظّمہ میں کعبۃ اللہ کو ڈھانے، تمام مرد و زن کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے اور ہاتھیوں کا خصوصی جتھہ اپنی 'غیر معمولی دھمک و چنگھاڑ' سے بچ جانے والوں کو ایسا ڈرانے کے لیے تھا کہ ''حمل والیوں کے حمل بھی گر جائیں''۔ تمام مفسّرین اور محقّقین باہم متفق ہیں کہ نبی آخر الزمان ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے، چند کی رائے ہے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری واقعہ' فیل کے 50 دن کے بعد ہوئی اور کچھ کے مطابق آپ ﷺ کی ولادتِ باسعادت واقعہ' فیل کے 25 دن کے بعد ہوئی۔

اس شرحِ صدر کا ماحاصل یہ ہے کہ ابرہہ کا کلیدی مقصد نبی آخر الزّمان ﷺ کی تشریف آوری میں خلل ڈالنا تھا اور کعبۃ اللہ کو ڈھانا اس کے ثانوی جنگی مقاصد میں سے تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

الحمدللہ بیان کردہ قرآنی نقطوں کو جوڑ کر 'عظیم تر تصویر' بنانے کے تناظر میں قبل از تخریبِ کعبہ 'آسمانی عذاب' کی حکمتِ بالغہ کی درست تفہیم ہو پاتی ہے، قبل ازیں تمام سوالات کے شافی جوابات مہیا ہو جاتے ہیں اور قرآن کا انقلابی و عمل انگیز فہم بھی نصیب ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

سیرت نگاری کا آغاز وارتقاء

ریاض احمد چودھری
(ڈائریکٹر بزم اقبال لاہور)

حضرت نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا مربوط اور ایمان افروز علم سیرت کہلاتا ہے۔ سیرت کا علم، تفسیر و حدیث کے علم سے مختلف ہے کہ ان دونوں علوم میں حیات طیبہ کے بے شمار واقعات تو موجود ہوتے ہیں لیکن ان میں تاریخی ربط و تسلسل نہیں ہوتا۔

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ رب العالمین نے آپ ﷺ کو رحمتہ للعالمین کے وصف سے پکارا اور انبیاء و رُسل کا تاجور بنایا۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل انسانیت بُت پرستی، خرافات اور فرسودہ رسوم ورواج میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اخلاقی طور پر وہ بے حیائی کے خوگر، ظلم وستم کے رسیا اور قبائلی غرور ونخوت کے عادی تھے۔ ایسے میں عرب کے صحرا نشینوں پر ابرِ رحمت کچھ اس انداز سے برسا کہ جو خود راہ پر نہ تھے وہ دوسروں کے رہبر بن گئے۔ یہ آپ ﷺ کی اعلیٰ تعلیمات اور بہترین راہ نمائیوں کا نتیجہ تھا کہ چند ہی برسوں میں جزیرۃ العرب اسلام کے زیرنگیں آ گیا۔ آپ نے ایسی مثالی حکومت قائم کی جو ہر لحاظ سے مشعل راہ اور انسانیت کے لیے مثالی امن و آشتی اور کامیابی وکامرانی کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ اس میں وسعت پذیری کی ایسی صلاحیت تھی کہ یہ خلافت کے سانچے میں ڈھل کر صدیوں تک دنیا کے وسیع حصے پر تابندہ رہی اور انسانیت نے اس کے فیوض وبرکات سے استفادہ کیا۔

سیرتِ نبوی ﷺ، تاریخ انسانی کا اعلیٰ ترین مرقع

سیرت طیبہ کی تمام تر خوبیاں آپ کی رسالت و نبوت کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ ذیل میں چند نمایاں ترین خوبیوں کا ذکر ہوگا:

آپ کی رسالت اور سیرتِ طیبہ کی اہم خوبی ''مکمل عالم گیریت'' ہے۔ آپ ﷺ ہر دور اور ہر طبقے کے لیے راہ نما بن کر تشریف لائے۔ رنگ و نسل کے فرق سے ہٹ کر ساری انسانیت کے لیے، اگر کسی کی سیرت وحیات مشعل راہ ہے تو وہ آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔

سیرتِ مبارکہ کی ایک خوبی ''جامعیت'' ہے۔ دنیا کا کوئی قائد اپنی جدوجہد اور سیرت و کردار کو اس قدر ہمہ جہت اور ہمہ گیر نہیں بنا سکا جیسے آپؐ نے ہمہ گیر اور ہمہ جہت بنایا۔ آپ بیک وقت داعی، قائد، امام، مربی، چیف جسٹس اور حکمران تھے اور اس کے ساتھ ساتھ بے مثال خاوند، مشفق باپ، بہترین عزیز اور ہمدرد وغمگسار دوست بھی تھے۔ آپ کی انھی صفات کا عکس آپ کے زیر تربیت صحابہ میں نظر آتا ہے، اور اسی تربیت کی بنیاد پر وہ اقوام و ملل کے رہبر و رہنما بنے۔

سیرت کا ایک نمایاں وصف ''محبوبیت'' ہے۔ دنیا میں بڑی بڑی با کمال ہستیاں گزری ہیں لیکن محبوبیت کا شرف کسی کو میسر بھی آیا تو بڑا محدود اور قلیل وقتی۔ لوگ با کمال ہستیوں کی عزت کرتے ہیں، قومی راہنماؤں کی خاطر غیرت وحمیت کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن وہ ایسی محبت سے محروم ہیں جیسی محبت جاںنثارانِ مصطفیٰ کو آپ ﷺ سے ہے۔ جان نثاران تو آپ ﷺ کی ایک ایک ادا پر جان چھڑکتے ہیں۔

سیرت نبوی کا ایک خاصہ ''مکمل تہذیب کا قیام'' ہے۔ دنیا میں جتنی تحریکیں چلی ہیں اور جتنے راہنما گزرے ہیں، وہ مختصر عرصے میں ایک مکمل تہذیبی تبدیلی کے مرحلے سے ہمکنار نہیں ہوئے، ان میں بتدریج اور طویل عرصے کے بعد تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ کو یہ امتیاز اور اعزاز حاصل ہے کہ آپ نے مختصر عرصے میں مکمل تہذیب کو تبدیل کر کے رکھ دیا۔ آپ کی قائم کردہ تہذیب و تمدن سے بڑی قومیں فکر و عمل میں خوشہ چیں رہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے تاریخ کے دھارے کو ربانی ہدایت کی بدولت بدلا، آپ ﷺ کی انقلاب آفرینی حالات و واقعات کے ردعمل کا نتیجہ نہ تھی بلکہ الہامی رشد و ہدایت کا ابدی پیغام تھی۔

سیرت کا ایک اہم پہلو ''عملیّت'' ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت فقط افکار و تصورات کا بیان نہیں بلکہ عملی جدوجہد سے لبریز ایک عظیم تحریک کا بیان ہے۔ اسی وجہ سے یہ علم جس قدر دلچسپ اور آسان فہم ہے اور کوئی نہیں۔

آپ ﷺ کی سیرت کا ایک اہم کمال ''لوگوں کو اللہ سے جوڑنا'' ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اللہ کے بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے دنیا جہان کی امامت و قیادت کے باوجود نہایت سادہ زندگی گزاری اور خود کو اللہ کا بندہ قرار دیا۔ دنیا میں سب سے عظیم مرتبت ہونے کے باوجود سب سے بڑے زاہد اور رقیق القلب انسان حضرت محمد ﷺ تھے۔

سیرت کے نقوش عالمی تاریخ میں محفوظ ہوئے اور نسل در نسل محفوظ ہاتھوں سے منتقل ہوتے ہوئے محدثین کرام تک اور ان کی وساطت سے ہم تک پہنچے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کی جامعیت، آپ کے اخلاق کی بلندی، کردار کی پاکیزگی اور وسعت اور زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ بے مثال ہے کہ ازل تا ابد عالَمِ انسانی میں اس سے بڑھ کر رفعت، کمال اور جامعیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

عالمی افکار میں سیرتِ نبوی کا اعجاز

اس وقت دنیا کے تمام بڑے مذاہب کے پیروکار عیسائیت، یہودیت، ہندومت، بدھ مت وغیرہ بالعموم مغربی فکر و فلسفہ سے شکست کھا کر اپنے مذاہب سے منہ موڑ رہے ہیں۔ مذہب کی پیروی اور دین سے محبت کو ہر ملک و قوم میں رجعت پسندی، پس ماندگی اور تنزلی کی علامت سمجھا جانے لگا ہے۔ اسی وجہ سے پوری دنیا میں جو اخلاق و اقدار فروغ پا رہی ہیں، وہ روحانی سے زیادہ مادی ہیں اور تعمیری سے زیادہ تخریبی ہیں۔

اہل فلسفہ کے عام دبستان اور ان سے پھوٹنے والی مادہ پرست تہذیب اور سرمایہ دارانہ اخلاق دین سے دور واقع ہوئے ہیں، یہ نبوی سیرت، انبیاء و اولیاء کی بنیادی تعلیمات اور وحی الٰہی کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ نبی مکرم ﷺ کی سیرت و تعلیمات اہل فلسفہ کے مقابلے میں علم الٰہی کی روشنی سے منور ہیں۔ سیرتِ مبارکہ آسمان سے نازل ہونے والی وحی کی عملی تعبیر ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کی تعلیمات کی طرح آپ کی ذات و صفات مبارکہ بھی ایک عظیم معجزہ ہے۔ اسلام دنیا

کے تمام ادیان کے مقابلے میں ایک جادۂ حق ہے، اس کے مصادر یعنی قرآن وحدیث اور سیرتِ طیبہ محفوظ ہیں۔ ان میں تحریفات جگہ نہیں پا سکیں جو دیگر ادیان میں داخل ہوئیں۔ یہ فقط دینِ محمدی ہی ہے جو حقیقت میں انسانوں کو ان کے ربّ کے ساتھ ملاتا ہے اور ان کو دنیوی و اخروی فلاح کی مکمل ترتیب عطا کرتا ہے۔ یہ نبوی شریعت ہی ہے جو عقیدہ، اخلاق اور قانون کی سطحوں پر مکمل اور صحیح راہنمائی عطا کرتی ہے۔ سیرت نبوی ہی مکمل ضابطہ حیات ہے جو فرد، معاشرہ اور سیاست سے متعلق تمام شعبوں میں صراطِ مستقیم کی نشان دہی کرتا ہے۔ ایسی خوبیاں اور خصائل کسی منسوخ اور محرف دین، غیر الہامی مذہب اور انسانوں کے وضع کردہ فاسد نظام ہائے زندگی میں ہو ہی نہیں سکتے۔

حضرت نبی مکرم ﷺ اپنی اُمت کو انحراف کی پگڈنڈیوں سے بچا کر سنت نبوی اور خلافتِ راشدہ کی وسیع اور کشادہ شاہراہ پر چلانے کے لیے تشریف لائے۔ یہ بھی اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُمّت مُسلمہ کا سوادِ اعظم قرنِ اوّل سے سنّت نبوی، صحابہ کرام اور سلف صالحین کی کشادہ راہ پر گامزن رہا۔ اُمّت محمدیہ میں ایمان وعمل کا ضُعف ضرور پیدا ہوا لیکن آپ کی تعلیمات، مصادرِ شریعت اور سیرتِ نبوی ہمیشہ محفوظ رہی اور ان کی اصلیت گم نہ ہونے پائی۔ دیگر مذاہب کی ایسی صورت نہ بن سکی۔ صدیوں کی گرد وغبار میں کوئی بھی مذہب اپنی اصلیت اور مبادیات محفوظ نہ رکھ سکا۔

مطالعہ سیرت، حُبّ نبی ﷺ کا باعث ہے

سیرتِ نبوی کا مطالعہ محبتوں کا ایسا سفر ہے جس کے ایک ایک حرف سے ولولہ اُبھرتا ہے اور سطر سطر سے درسِ طاعت ملتا ہے۔ حب نبوی اہل ایمان کا توشۂ حیات ہے اور اس کا حصول اطاعت وفرماں برداری کے بغیر ممکن نہیں۔ ارشاد نبوی ہے :((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ)) (صحیح البخاری: ۱۵) ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے ہاں اس کے آباء واجداد، اولاد واحفاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

سیرت النبی ﷺ دنیا کی سب سے پیاری، سب سے سچی اور سب سے اعلیٰ سیرت ہے، جس میں عزم وہمت کے سیکڑوں جاں نثار عظیم مقصد کی خاطر متاعِ جان قربان کرتے نظر آتے ہیں۔ جس کا ورق ورق مہر ووفا اور عظمت وایثار کے جذبوں سے سرشار ہے۔ جس میں جوش

وولولہ بھی ہے اور رقت وعبرت بھی۔ جس میں انسانوں کے لیے بے لاگ عدل وانصاف بھی ہے اور انسانی تہذیب کا اوج کمال بھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: **کنا نعلّم ابناء نا الغزوة من غزوات النبی ﷺ کما نعلّمھم السورة من القرآن۔** (سبل الہدیٰ، امام شامی، ۴/۱۰) ''ہم اپنے بچوں کو نبوی غزوات کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جیسے ہم ان کو قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے۔''

سیرت نگاری کا آغاز

حبِ نبوی ﷺ کا حصول ہو یا اطاعت نبوی کا جذبہ، اس کے لیے سیرت مبارکہ کا علم ضروری ہے۔ اس لیے عہد صحابہ و تابعین ہی سے اس کی تدوین کا آغاز ہو چکا تھا۔ قرآن مجید کی متعدد سورتیں اور آیات دورِ نبوی کے واقعات کے پس منظر میں اُتریں۔ صحابہ نے تفسیر کے حوالے سے ان واقعات کا تفصیل سے ذکر کیا۔ تابعین نے ان کی جستجو، تحفظ اور تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا۔ حدیث و سیرت کا فن سب سے پہلے اُمت میں رائج ہوا اور سیرت کے ماہرین ''اہل سیر و مغازی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ سیرتِ نبویہ ﷺ پر اوّلین باقاعدہ کتاب جو آج بھی اعلیٰ ہے، سیرت ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ) ہے۔ ابن ہشامؒ (م ۲۰۷ھ) نے اس کو نئی ترتیب دی جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ اسی دور میں واقدی (م ۲۰۷ھ) اور ابن سعد (م ۲۳۰ھ) نے بھی سیرت پر قلم اُٹھایا۔ فن سیرت پر ان کی گراں قدر تالیفات بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ ماہرین قافلۂ سیرت کے پیشرو کہلاتے ہیں۔

سیرت نگاروں کے ساتھ ساتھ قدیم مؤرخین جیسے یعقوبی (م ۲۹۲ھ)، مسعودی (م ۳۴۶ھ) اور طبری (م ۳۱۰ھ) نے اپنی اپنی کتب تاریخ مرتب کیں تو ان میں اجمالی طور پر سیرت مبارکہ کا تذکرہ ایک لازمی امر تھا۔ ان کے بعد والے مسلم مؤرخین ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔ جن ائمہ کرام نے سیرت کی مستند اور معتمد علیہ روایات کی تدوین میں انسانی بساط کی آخری حد تک جدوجہد کی، وہ محدثین کرام کی جماعت تھی۔ امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) اور امام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) کی صحیحین میں سیرت سے متعلق نہایت قابل اعتماد مواد موجود ہے جس کی نظیر کسی جگہ نہیں ملتی۔ اسی زمرے میں دیگر محدثین کی خدمات اور ان کے حدیثی شاہکار بھی اُمت کا سرمایۂ

افتخار ہیں۔سیرت، تاریخ اور حدیث کے علاوہ تاریخ حرمین، بلدان، انساب اورادب ولغت کے قدیم بنیادی مآخذ بھی سیرت کے قیمتی تذکروں سے معمور ہیں۔

سیرت کے بنیادی مآخذ کی تدوین کے بعد مختلف محدثین وعلماء نے سیرت کے فن کو خوب نکھارا اور اس میں فنی وعلمی پختگی پیدا ہوئی۔ ان میں مشہور نام ابن حزم (م ۴۵۶ھ)، ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ)، قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ)، ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ)، عبدالغنی المقدسی (م ۶۰۰ھ)، ابن قیم (م ۷۵۱ھ) وغیرہ ہیں۔

قرونِ وسطیٰ میں سیرت نگاری

قرونِ وسطیٰ میں سیرت کے بڑے بڑے مجموعے منصۂ شہود پر آئے جو متعدد جلدوں پر مشتمل تھے جیسے **اِمتاع الاسماع** از مقریزی (م ۸۴۵ھ)، **سبل الھدیٰ** از صالحی شامی (م ۹۴۲ھ)، **انسان العیون** از حلبی (م ۱۰۴۴ھ)، **وفاء الوفاء** از سمہودی (م ۹۱۱ھ)، **نفائس الدرر** از الفاسی (م ۱۱۱۹ھ) وغیرہ۔

اسی دور میں مختصر مگر جامع کتب سیرت کی کئی جلدوں پر مشتمل شروح بھی رقم ہوئیں جیسے امام سُہیلی (م ۵۸۱ھ)، امام زرقانی (م ۱۱۲۲ھ)، امام مغلطائی (م ۷۶۲ھ) وغیرہ۔ انھی عظیم تالیفات اور محکم علمی روایات کی بدولت ''علم سیرت''، تفسیر وحدیث کے علوم کی طرح ایک مستقل اور منظّم علم قرار پایا ہے۔ امام سُہیلی کی **الروض الانف**، ابن قیم کی **زاد المعاد** اور امام زرقانی کی **شرح المواھب** محکم استدلال، گہرے نظم وضبط اور غزارت علمی کے اعتبار سے ابن حجر کی فتح الباری اور تفسیر قرطبی سے کم نہیں۔ یہی خوبیاں ان مشاہیر سیرت نگاروں کو بھی امامت کے درجے پر فائز کرتی ہیں۔ انھی ائمہ کے دور میں سیرت نگاری اپنے عروج تک پہنچی۔ اس کے بعد مسلمانوں میں جمود وانحطاط کا دور شروع ہوا حتیٰ کہ استعمار کی محکومی کے بعد ان کی بیداری ونشأۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔

سیرت کے قدیم مکاتب فکر

ابتدا میں سیرت نگاری کے دو مکاتب رائج تھے:

۱۔ مؤرّخین کا مکتب فکر ۲۔ محدّثین کا مکتب فکر

مؤرخین کے مکتب فکر میں واقعات تاریخی ترتیب سے پیش کیے جاتے تھے اور زمانی

ربط و تسلسل کا خصوصی خیال رکھا جاتا لیکن اُن میں درج شدہ روایات پر نقد و جرح اور صحت و سقم کے متعلق زیادہ بحث و تحقیق نہ ہوتی تھی۔ جیسے واقدی، ابن ہشام، ابن اسحاق اور ابن سعد کی تالیفات مؤرخین واہل سیر کے مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے ان میں روایات کی صحت اور نقد وجرح کا زیادہ اہتمام نہیں ہوا، البتہ ان میں سے ابن ہشام جیسے محتاط ماہرین سیرت اپنی روایات کی سندیں بیان کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے۔

محدثین کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والی کتب سیرت کے مؤلفین و مصنّفین بذات خود نامور اور عظیم محدثین اور شارحین حدیث تھے۔ اُن کی تالیفات میں سیرت کی تاریخی روایات صحت واستناد کے اعتبار سے مؤرّخین سے بہتر انداز میں بیان کی گئی ہیں، جیسے ابن الجوزی، قاضی عیاض، ابن القیم، ابن حزم، ابن کثیر، ابن عساکر، ابن حبان، ابونعیم، بیہقی، ابن سید الناس، ابن عبدالبر اور دیگر کی تالیفات ہیں۔ ان کی کتب میں روایت اور اصولِ روایت بھی نظر آتے ہیں اور ضرورت کے تحت ''درایت'' یعنی روایات کے معانی و مطالب کی جانچ پڑتال کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ ان میں تاریخی روایات کو نقد و نظر کے بغیر پیش کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔

سیرت کے جدید دور کے مکاتب فکر

ماضی میں سیرت کے یہی دو یعنی مؤرّخین و محدثین کے مکاتب فکر موجود تھے، لیکن بیسویں صدی میں سیرت کا کلامی وادبی مکتب فکر وجود میں آیا۔ کلامی وادبی مکاتب فکر کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب بیسویں صدی میں عالم اسلام تہذیبی، سیاسی اور عسکری سطح پر محکومی اور غلامی کے مراحل سے گزرا اور اُسے عصرِ رواں کے جدید فکری اور تہذیبی مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔

کلامی وادبی مکتب فکر، اُن علماء و مفکّرین کا مکتب ہے جنھوں نے سیرتِ نبوی کے ضمن میں مسلمانوں کے معاصر تہذیبی و معاشرتی مسائل کو پیشِ نظر رکھا، اسلام کے محاسن اُجاگر کیے، مستشرقین کے ناروا اعتراض دور کیے اور اپنی تصانیف میں جدید پڑھے لکھے انسان کو مخاطب بنایا۔ اس طرح کے علماء میں سعید حوّٰی (م ۱۹۸۹ء)، متولی الشعراوی (م ۱۹۹۸ء)، محمد الغزالی مصری (م ۱۹۹۶ء)، سعید رمضان بوطی (م ۲۰۱۳ء) وغیرہ ہیں۔ ان علماء میں زیادہ تر مصر کے اخوانی اہل قلم ہیں، تاہم دیگر ممالک کے ہم خیال افراد بھی ان کے ہم رکاب ہیں۔ برصغیر میں کلامی وادبی

مکتب فکر کے اہم نمائندے علامہ شبلی نعمانی (م۱۹۱۴ء) اور سیّد سلیمان ندوی (۱۹۵۳ء) ہیں۔

سیرت کے جدید دور کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے عرض ہے کہ قرونِ اولیٰ اور قرون وسطیٰ کے سیرت نگار ایک ہی عقیدے کے حامل تھے۔ اُن میں کوئی فرد ایسا نہ تھا جو صحابہ وسلف صالحین اور جمہور ائمہ سیرت وحدیث کے موقف کے خلاف کوئی نظریہ یا فکر رکھتا ہو اور جدید دور کے زیادہ تر لکھنے والے اسلام کی محبت اور حقانیت پر یقین رکھتے ہیں، بالعموم جمہور ائمہ فقہا اور سلف صالحین کی تشریح کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔

دورِ جدید میں سیرت کا فن پوری آب وتاب سے پروان چڑھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مغرب نے رسولِ رحمت ﷺ کے بارے میں ناروا اور انتہائی نامناسب الفاظ استعمال کیے۔ ولیم میور کی غیر منصفانہ تصنیف ہو یا موجودہ دور کے توہین آمیز خاکے، جب بھی سیرت پاک پر حملے ہوئے اہل ایمان کی حمیت نے انھیں پیغمبر اسلام کے دفاع پر کھڑا کیا اور ہر ایک صاحب علم وقلم نے اس مبارک موضوع پر قلم اُٹھایا۔ اس وجہ سے جدید علمی کاوشوں میں مستشرقین کے پھیلائے ہوئے بودے اشکالات بھی رفع کیے گئے اور سیرت کی تاریخی روایات کو سند، روایت اور درایت کے اعلیٰ اصولوں پر پرکھا گیا جس سے فن سیرت کے اعتماد میں مزید اضافہ ہوا۔

سیرت کے علم وفن کے حامل محدثین کی عملی تطبیق عرب علماء کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئی۔ ان کی کاوشوں سے سیرت کی تحقیق وتنقیح کا کام بامِ عروج کو پہنچا۔ ان میں نمائندہ علماء ناصر الدین البانی، دکتور اکرم ضیاء العمری اور رزق اللہ مہدی شامل ہیں۔

سیرت نگاری سے جڑا ہوا ایک نہایت اہم کام باقاعدہ طور پر **فقہ السیرۃ** کی تدوین ہے۔ **فقہ السیرۃ** سے مراد یہ ہے کہ سیرت مبارکہ کی روشنی میں دورِ حاضر کے مسائل کو حل کرنا اور اصلاحِ احوال کے لیے راہ نمائی حاصل کرنا۔ **فقہ السیرۃ** حیاتِ نبوی کے علم کی عملی تطبیق ہے جو اکیسویں صدی کی ضروریات کی تسلی وتشفی کرتا ہے۔ اردو زبان میں **فقہ السیرۃ** پر بالعموم کوئی باقاعدہ علمی کام نہیں ہوا، جبکہ عرب کے مصنّفین نے اس موضوع کو نبھانے کی شاندار کاوشیں کیں۔ **فقہ السیرۃ** پر کام کی ابتدا کلامی وادبی مکتب فکر کے حاملین نے کی۔ مصطفیٰ السباعی (م۱۹۶۴ء) اور محمد الغزالی، رمضان بوطی (م۲۰۱۳ء) **فقہ السیرۃ** کے نامور پیش رو ہیں۔ دیگر نامور محققین جیسے

علی محمد صلابی، دکتور منیر غضبان اور دکتور موفق سالم نوری وغیرہ نے اسے مزید ترقی دی۔

برصغیر میں جدید سیرت نگاری

برصغیر کی علمی وفکری تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تک تفسیر، حدیث اور سیرت پر وہ شان دار کام نہ ہو سکا جو فقہ، فتاویٰ اور معقولات کی تعلیم، تحقیق اور تدریس کے میدان میں ہوا۔ برصغیر کے نامور مؤلفین کی تعداد عالم اسلام کے دیگر مؤلفین سے کم رہی۔ تاہم احیاء و بیداری کے بعد برصغیر کے مسلمانوں نے تفسیر، حدیث اور سیرت کے میدان میں پچھلے تمام داغ دھوڈالے۔

برصغیر میں جدید سیرت نگاری کا آغاز سرسیّد احمد خاں (م۱۸۹۸ء) کے کام سے ہوا۔ سرسیّد نے یورپی مستشرقین کی تحقیقات کا پول کھولا، مسلمانوں کے خلاف برپا علمی جنگ میں اپنا کردار ادا کیا اور مسلمانوں کا اپنے نبی اور دین پر اعتماد پختہ ہوا۔ لیکن اس میں بعض مقامات پر اسلامی روایت سے انحراف ہوا اور ان خرابیوں سے کئی مسلمان بھی متاثر ہوئے۔

قاضی سلیمان منصور پوری (م۱۹۳۰ء) نے ایک نہایت بلند پایہ کتاب ''رحمۃ للعالمین'' ۱۶-۱۹۱۲ء میں لکھی۔ اس کتاب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، اس میں مستشرقین کے اعتراضات کا ردّ بھی ہے اور واقعات کی صحیح تدوین بھی۔ یہ کتاب مسلمانوں کے مسلمہ عقائد ونظریات کے عین مطابق ہے۔ اس نے مسلمانوں کو اپنے صحیح دین کی طرف لانے میں مدد دی۔ علامہ شبلی نعمانی (م۱۹۱۴ء) کی سیرت اُن کی وفات کے بعد ۱۹۱۷ء میں منظر عام پر آئی۔ یہ انگریز کا دور تھا اور مغربی علوم اور الحادی نظریات مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے اور ان سے متاعِ دین چھیننے پر تلے ہوئے تھے۔

ایسی مخدوش صورت حال میں علمائے سیرت کو اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اور انھوں نے ایسا کام کیا جو پیرانِ کلیسا اپنے مذہب کے تحفظ میں ۱۷ویں صدی میں انجام دینے سے قاصر رہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے شکست وریخت کے باوجود علمی سطح پر الحاد کو کمزور کیا۔ علامہ اقبال جیسے مفکرین نے جدید الحاد کی قبا چاک کی۔ اور الحمدللہ آج دین کی حقانیت پر مسلمانوں کا ایمان روز افزوں ہے۔

علامہ شبلی کی سیرتِ نبوی فن تاریخ، مستشرقین کے جوابات، حقانیت اسلام اور علم وادب کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ شہ پارہ ہے، تاہم پہلی دو جلدوں میں کہیں کہیں راسخ العقیدہ

محدثین وفقہاء اورقدیم سیرت نگاروں کے طریق سے تجاوز بھی کیا گیا ہے۔شبلی کے شہوارِقلم نے کئی مقامات پر ٹھوکر کھائی ہے،خصوصاً مغازی کی تشریح وتوضیح میں وہ راہ راست سے ہٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔اصول وقواعد کی بنیاد پر پہلی جاندار تنقید جناب عبدالرؤف دانا پوری (م۱۹۳۲ء) صاحب ''اصح السیر'' کی طرف سے سامنے آئی۔

علامہ شبلی اور سیّد سلیمان ندوی کے بعد اردو میں محدثین وفقہاء کے اصولِ روایت و تاریخ کے مطابق نہایت شان دار کتب منصۂ شہود پر آئیں۔اُن میں شبلی جیسا کلامی وادبی اسلوب تو نہ تھا لیکن واقعات کی جانچ پڑتال صحیح علمی انداز سے کی گئی۔

پچھلے سو سال میں اُردو زبان میں سیرت پر کئی اہل قلم نے خامہ فرسائی کی۔ان میں کئی بلند پایہ علماء بھی شامل ہیں۔ان میں مولانا ادریس کاندھلوی (م۱۹۷۴ء)،سید مناظر احسن گیلانی، ابراہیم میر سیالکوٹی،سیّد ابوالحسن علی ندوی،سیّد مودودی،ڈاکٹر حمید اللہ اور مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری وغیرہم کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ان اجل حضرات نے علمی،تحقیقی اور فکری سطح پر ان علمی اصولوں کا خیال رکھا جن کو دنیا میں ہر جگہ پذیرائی حاصل ہے۔ان کا کام ایک خوب صورت گلدستے کی صورت میں ہے،جس کی خوشبو ایک جیسی ہے لیکن رنگ جدا جدا ہیں۔

بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں تراجم کا دور شروع ہوا۔ڈاکٹر حمید اللہ اور عرب کے مصری وسعودی علماء کی کئی کتب کا اردو ترجمہ منظر عام پر آیا۔سیرت کی جدید کتب کے ساتھ ساتھ قدیم بنیادی مصادر اور مُطوّل کتب کے تراجم بھی منظر عام پر آئے۔جدید دور میں کئی جلدوں پر مشتمل مبسوط کتب سیرت کا آغاز بھی سامنے آیا جن میں پیر کرم شاہ ازہری کی ''ضیاء النبیؐ'' اور ڈاکٹر طاہر القادری کی زیرِ نگرانی تالیف شدہ ''سیرت الرسولؐ'' اہم ہیں۔یہ امر باعث مسرت ہے کہ جناب نعیم صدیقی مرحوم نے محسن انسانیت کے نام حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر بہترین کتاب لکھی جسے عمدہ ترین قرار دیا گیا۔

محسن انسانیت کے مصنف محترم نعیم صدیقی صاحب کہتے ہیں کہ محسن انسانیت لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ نوجوانوں کو مطالعہ سیرت کی ایسی راہ پر ڈالوں کہ وہ کتاب پڑھتے پڑھتے نبی کریم ﷺ تک جا پہنچیں یہاں اس امر کا تذکرہ کرنا بھی ناگزیر ہے کہ جنرل ضیاء الحق شہید نے سالانہ سیرت

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے تین چار مرتبہ محسنِ انسانیت سے چند اقتباسات پڑھ کر سنائے تھے اور اس سال سیرت پر شائع ہونے والی کتب میں محسنِ انسانیت کو اوّل ایوارڈ بھی دیا گیا تھا۔

مولانا سیّد ابو اعلیٰ مودودی نے دو جلدوں میں سیرتِ سرورِ عالم تالیف فرمائی۔ قرآن پاک میں جہاں جہاں نبی کریم ﷺ کے بارے میں آیات کا ذکر آیا سب کو سیرت سرور عالم کی دونوں جلدوں میں شامل کر دیا گیا۔

سیرت سے استفادے کا لائحۂ عمل

اس وقت دنیا بھر میں علم سیرت بامِ عروج تک پہنچ چکا ہے۔ ایک طرف سیرت کے واقعات کو تحقیق اور ثقاہت سے لکھنے کا رجحان مقبول ہوا۔ دوسری طرف سیرتِ نبوی کے مختلف معاشرتی وسیاسی گوشوں پر الگ کتب لکھی جا رہی ہیں۔ اُمت مسلمہ نبی آخر الزمان ﷺ کی سیرت مبارکہ اور سنت مطہرہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وابستہ ہو رہی ہے۔

سیرت سے اس والہانہ شوق کے باوجود مسلمان اس وقت کئی داخلی وخارجی بحرانوں کا شکار ہیں۔ اس پستی سے نکلنے کے لیے سیرت مبارکہ پر بہتر انداز میں عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ دانشور، نکتہ دان، عمائدین قوم اور اہل علم وقلم اس بات کا جائزہ لیں کہ نبوی دور میں مسلمان کس طرح مادی اور روحانی سطح پر بلند ہوئے اور عصر رواں میں عظمت رفتہ کا حصول کیسے ممکن ہے؟ اسلام کی دعوت کیسے پھوٹی اور پھیلی؟ کیسے صبر آزما مراحل سے گزری؟ مسلمانوں کا نظامِ معاشرت وحکومت کیسے ننھی کونپل سے تناور درخت بنا اور صدیوں تک برگ وبار لاتا رہا، صحابہ خیر اُمت کیسے بنے، مہاجرین وانصار کو سابقین کا اعزاز کیسے ملا، دین خیر القرون میں عالمگیر قوت کیسے بنا، دین کس طرح زندگی کا احاطہ کرتا ہے، اُمت اپنی زبوں حالی سے کیسے نکلے گی، موجودہ مشکلات کا حل سیرت کے مقدس اوراق سے ڈھونڈنا از حد ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیرت کے صحیح واقعات اور درست تعبیرات پر ایک صدی سے کام جاری ہے۔ اس پر کافی علمی کام ہو چکا ہے مزید بہتری اور خیر وخوبی کی گنجائش بھی ہے، تاہم اب سیرت کا بہترین علمی کام اسی صورت میں ممکن ہے کہ دورِ حاضر کے مسائل اور مشکلات کا حل پیش کیا جائے۔ اس وقت قرآن وحدیث اور سیرت کی روشنی میں اصولِ تربیت، اصولِ دعوت، اصولِ

اختلاف، اصولِ سیاست اور اصولِ نصرت و تمکین مرتب ہو رہے ہیں۔ امید واثق ہے خوابیدہ امت بیدار ہوکر عروج حاصل کرے گی اور مستقبل ان کا خیر مقدم کرے گا۔ ان شاء اللہ

سیرت پر دارالمعارف کی خدمات

اُردو میں سیرت پر درج بالا کام ضخامت کے اعتبار سے اوسط درجے کا تھا نیز سیرت کی عملی زندگی اور عصرِ رواں پر تطبیق کی طرف توجہ کم رہی۔ مبسوط، مفصل اور فہم سیرت کے کام کو نمایاں کرنے کی ضرورت اپنی جگہ بدستور موجود ہے۔ مبسوط اور مفصل کام کے لیے ایک جامع انسائیکلوپیڈیا کا خاکہ گورنمنٹ کالج لاہور اور پنجاب یونیورسٹی و اورینٹل کالج لاہور کے مایہ ناز استاذ اور اُردو دائرۂ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) کے سینئر مدیر پروفیسر عبدالقیوم (م ۱۹۸۹ء) نے ترتیب دیا۔ انھوں نے ساڑھے تین سو ابواب پر مشتمل مضامین سیرت میں بعض نئے موضوعات، مباحث اور رجحانات کو متعارف کرایا، یہ موصوف کے خاکۂ سیرت نبویہ کی خصوصیت ہے۔

دارالمعارف لاہور نے سیرتِ نبوی کو پروفیسر عبدالقیوم مرحوم کے خاکے کی بنیاد پر مرتب کرنے کا آغاز ۲۰۰۸ء میں کیا۔ علم و تحقیق کا یہ سفر دس سال بعد تک جاری و ساری ہے۔

پروفیسر عبدالقیوم (۱۹۸۹ء۔۱۹۰۹ء) عربی و اسلامی علوم کے عظیم معلّم و محقق تھے۔ لسان العرب کی فہارس مرتب کرنے پر انھوں نے عالمی سطح پر شہرت پائی۔ سید سلیمان ندوی، فواد سزگین اور مشہور یورپی مستشرقین جیسے ڈاکٹر کرنکو (Dr.Krenkow)، ڈاکٹر بروکلمان (Dr.Brockelman) اور پروفیسر ڈاکٹر سپولر (Prof.Dr.Spuler) وغیرہ نے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ قیام پاکستان سے پہلے مختلف کالجوں میں تیرہ سال عربی و اسلامی علوم کی تدریس کی۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج لاہور اور اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں بیک وقت اکیس برس تک عربی و اسلامی علوم کی اعلیٰ کلاسز کو تعلیم دیتے رہے۔

پنجاب یونیورسٹی کے عظیم تحقیقی شعبہ ''اُردو دائرۂ معارف اسلامیہ'' میں سینئر مدیر کی حیثیت سے پروفیسر صاحب کی خدمات کا عرصہ بھی لگ بھگ اکیس برس پر محیط ہے۔ اس طرح ان کی زندگی کے پچپن سال تحقیق و تدریس میں صرف ہوئے۔

دارالمعارف کے زیرِ اہتمام سیرت ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں تمام بڑے واقعات کی

ابواب بندی پروفیسر عبدالقیوم مرحوم کے تیار کردہ خاکے کے مطابق کی گئی ہے۔ تمام مواد کی چھان پھٹک حتی الامکان ان علمی اصول وآداب کے مطابق کی گئی ہے۔ یہ وہی اصول ہیں جنھیں راسخ العقیدہ پختہ کار اربابِ علم وتحقیق نے وضع کیا۔

اسی خاکے کے مطابق ایک علمی تالیف ''سیرت انسائیکلوپیڈیا'' بھی سامنے آئی ہے جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس تالیف میں محدثانہ اصولوں کے مطابق سیرت کی تدوین کی گئی ہے۔

دارالمعارف کے مجوزہ سیرت منصوبے میں محققانہ اسلوب اپنایا گیا ہے۔ یہ ایک اہم کام ہے جو عصر حاضر کے انفرادی واجتماعی مسائل کے حل کی تجاویز پیش کرتا ہے جو تربیت ودعوت کے لیے ان شاء اللہ نہایت مفید ہوگا۔

مختصراً دارالمعارف کا سیرت نبوی ﷺ پر مشتمل یہ شاندار منصوبہ دو بنیادوں پر استوار ہے:

۱۔ اس میں نبی ﷺ کی سیرت وسوانح پر قدیم مصادر سے مفصل اور مبسوط علمی مواد ترتیب دیا گیا ہے۔ جدید دور میں عربی واُردو زبان میں اس قدر مبسوط تالیف کی مثالیں بہت کم ہیں۔

۲۔ دارالمعارف کے سیرت پروجیکٹ میں فقہ السیر ۃ کا کام کسی بھی اردو یا عربی کتاب کے فقہ السیر ۃ سے زیادہ مبسوط، جامع اور منظّم ہے جو ایک مرکزی عنوان

''دین کی نصرت وتائید کی جدوجہد: مراحل واصول وآداب''

کے تحت تمام متعلقہ علمی، عصری اور فکری مباحث پر مشتمل ہے۔ دارالمعارف سے قبل فقہ السیرۃ پر جتنا کام ہوا، وہ کسی ایک جامع عنوان کے بجائے منتشر علمی فوائد ونکات کے تحت سامنے آیا۔ اس لحاظ سے فقہ السیر ۃ کے موضوع پر یہ پہلی مبسوط کوشش ہے۔

دارالمعارف کا سیرت کا سیٹ تقریباً گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے، جس کا مقدمہ سیرت کے لیے قریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے جو سیرتِ طیبہ کی حکمت، تاریخ اور معاصر صورت حال پر مفید علمی تدوین ہے۔

دارالمعارف، لاہور: ایک تعارف

دارالمعارف پنجاب کے عروس البلاد لاہور میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کی تاریخی عمارت سے متصل ایک تحقیقی وتالیفی ادارہ ہے۔ اسلامیہ کالج وہ جگہ ہے جہاں قائداعظم تشریف

لایا کرتے تھے۔ دار المعارف کے دامن میں مشہور گراؤنڈ ہے جہاں انجمن حمایت اسلام کے تاریخ ساز جلسے منعقد ہوئے اور علامہ اقبال اپنی نظمیں اور ترانے سنا کر مسلمانوں کا عزم اور ولولہ تازہ کرتے رہے۔ تین منزلوں میں لائبریری اور ادارۂ تحقیق قائم ہے۔ اربابِ علم و تحقیق کو جدید سہولیات کے ساتھ نہایت پروقار علمی ماحول فراہم کیا گیا ہے۔

دار المعارف کی بنیاد ایک صنعت کار نے رکھی جو افواجِ پاکستان میں اعلیٰ خدمات انجام دیتے رہے۔ گو وہ خود تو اسلامی علوم کے مروّجہ مراحل عبور نہیں کر سکے، تاہم اہل علم کی آغوش میں پل کر جوان ہوئے، اس لیے ان کے ہاں علم اور اہل علم کی خوب قدر دانی اور پذیرائی ہے۔ وہ دین کی خدمت میں سب سے زیادہ ٹھوس اور پائیدار کام ''علم و تحقیق'' کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ دار المعارف کی تاسیس کے بعد پروفیسر عبد القیوم کے خاکۂ سیرت کے مطابق سیرت پروجیکٹ شروع کیا گیا جو ترتیب و تسوید کے آخری مراحل میں ہے۔ دار المعارف میں سیرت پروجیکٹ کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا علمی منصوبہ تاریخ علومِ اسلامیہ کا ہے جس کے تحت تمام علومِ اسلامیہ کے آغاز و ارتقاء اور فکری تاریخ کا جائزہ لیا جائے گا اور اہم کتب کا تفصیلی تعارف پیش کیا جائے گا۔ تاریخ علومِ قرآن پر ۱۲۰۰ صفحات کے لگ بھگ کام ہو چکا ہے۔

دار المعارف کی لائبریری پروفیسر عبد القیوم کے نام سے موسوم ہے جو عربی و اسلامی مصادر کے لحاظ سے لاہور کی ممتاز لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں تفسیر و حدیث، فقہ و فتاویٰ، سیرت و تاریخ، رجال و طبقات، جدید افکار و نظام، سیاسیات و معاشیات، عربی لغت و ادب اور دیگر موضوعات و عنوانات پر ہزاروں قدیم و جدید مصادر و مراجع موجود ہیں۔ یہ محققین کرام کی ہمہ وقت موجودگی کے باعث عظیم علمی مرکز کی صورت اختیار کر چکی ہے۔

دار المعارف کے عظیم تالیفی پروجیکٹ (سیرت النبی ﷺ) کی نگرانی کا شرف فوج سے وابستہ رہنے والے اور صنعت کار کو حاصل ہے۔ اُمید ہے یہ تالیف ۲۰۲۱ء کے دوران طبع ہو کر طلباء، اساتذہ، علماء و محققین اور عام قارئین کی خدمت میں پیش ہوگی۔ ان شاء اللہ

اللھم صلِّ وسلِّم علی نبینا محمّد ﷺ

سوشل میڈیا کا ’’جال‘‘
اور دعوتِ دین

آصف حمید

(بشکریہ ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور، 19 تا 25 جنوری 2021ء)

دجّال اور دجّالیت

الحمدللہ! بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے دجّال، دجّالیت، فتنۂ دجّال جیسے موضوعات پر تفصیلی تقاریر کی ہیں اور ان کو موجودہ حالات سے جوڑا ہے۔ قربِ قیامت کے حوالے سے ایک حدیث مبارکہ کے مطابق علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ منبر ومحراب سے دجّال کا ذکر ختم ہو جائے گا۔

مسند احمد میں ایک حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں کہ دجال اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک لوگ اس کے ذکر سے غافل ہو جائیں اور یہاں تک کہ خطیب منبروں پر اس کا ذکر کرنا چھوڑ دیں گے۔ جبکہ صحیح مسلم میں موجود حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ تخلیق آدمؑ سے لے کر قیامت تک دجال سے بڑی کوئی مصیبت نہیں۔ لہٰذا دجال اور دجّالیت کا ذکر نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص مصیبت کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلے اور سمجھے کہ مصیبت ٹل گئی ہے۔ بلکہ اس بارے میں آگاہی رکھنے ہی میں عافیت ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ ’’جو شخص شر کو نہیں جانتا تو بہت امکان ہے کہ وہ اس شر میں مبتلا ہو جائے گا‘‘۔ لہٰذا اس فتنہ سے بے خبر رہنے سے اس بات کا امکان قوی ہے کہ لوگ اس میں مبتلا ہو جائیں۔ جیسا کہ اکثریت کا معاملہ ہو چکا ہے۔ آج دجالیت اپنے عروج پر ہے اور حالات کشاں کشاں خروجِ دجال کی طرف جا رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے

فرمان: اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِی بِتَقْوَی اللّٰہِ کے مصداق، میں ان تمام باتوں اور احتیاطوں کی سب سے پہلے اپنے آپ کو نصیحت اور پھر آپ کو مشورہ دوں گا۔

شیطان کی ازلی عداوت

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ شیطان دجالیت کی آڑ میں انسان کو گھیرنے اور اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے کیسے کیسے طریقے اختیار کر رہا ہے؟ اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھا کر کہا تھا: ''تیری عزت کی قسم میں ان سب بنی نوع آدم کو گمراہ کروں گا۔ سوائے تیرے مخلص بندوں کے'' (سورۃ ص آیت 82 اور 83)۔ سورۃ الاعراف آیت 16 اور 17 میں شیطان اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہے: ''(پروردگار!) تو نے جو مجھے (آدم کی وجہ سے) گمراہ کیا ہے تو اب میں لازماً ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا تیری سیدھی راہ پر۔ پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے سامنے سے، اور ان کے پیچھے سے، اور ان کے دائیں اور بائیں جانب سے، اور تو نہیں پائے گا ان کی اکثریت کو شکر کرنے والا''۔

شیطانی حملے

آج ٹیکنالوجی کے دلفریب جال میں شیطان ہم پر کہاں کہاں سے حملہ آور ہو رہا ہے؟ میں یہاں مختصراً اپنی رائے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس پر تفصیل سے لکھنا تو راقم کے بس میں اس لیے نہیں کہ راقم کا تحریر و تصنیف کا قطعاً کوئی تجربہ نہیں۔ لہٰذا یہاں اختصار پر اکتفا کرنا ہوگا۔ پس کچھ امور کی طرف اشارہ ہی ہو سکے گا۔ تا کہ معاملے کی گہرائی اور گیرائی کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔ میں یہاں صرف ان پھندوں یا فتنوں کی بات کروں گا جن کا تعلق ٹیکنالوجی خصوصاً سوشل میڈیا سے ہے اور وہ موبائل فون اور کمپیوٹر کے استعمال سے ہم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سمارٹ فون

سمارٹ فون جس میں اینڈرائڈ اور ایپل فونز شامل ہیں، یہ ایسا gadget ہے جو ہماری زندگیوں پر پوری طرح اثر انداز ہو چکا ہے۔ بظاہر تو یہ بہت فائدہ مند نظر آتا ہے لیکن دوسری طرف ہماری ذاتی معلومات اور معمولات حسبِ ضرورت اپنے آقاؤں کو فراہم کرتا رہتا ہے۔ اس

کے دونوں طرف کیمرے جو کہ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف ہمارے لیے ہیں، وہ ضرورت پڑنے پر ہمارا لائیو ویو کسی بھی وقت اور کہیں بھی اپنے بنانے والوں کو دکھا سکتا ہے۔ گویا جو طاقتیں اس ٹیکنالوجی کو کنٹرول کررہی ہیں، وہ ہماری تصاویر اور ویڈیوز جب چاہیں دیکھ لیں اور سن لیں۔ یہ بات ہمیں ماننی پڑے گی کہ جنہوں نے اس کو بنایا ہے انہوں نے اسے ہمارے فائدہ سے کہیں بڑھ کر اپنے مقاصد کے لیے بنایا ہے۔ آج ہم اپنی تمام معلومات بخوشی اور برضا و رغبت سوشل میڈیا میں ڈال رہے ہیں۔ ہمیں پسند کیا ہے، ہمارے خیالات کیا ہیں؟ ہمیں کیا بات خوش کرتی ہے اور ہم کس وجہ سے غمگین ہوتے ہیں؟ کس بات سے پریشان ہوتے ہیں، ہمارے رابطے میں کون کون لوگ ہیں؟ ہمارے مشاغل کیا ہیں؟ ہم تنہائی کے لمحات کیسے گزارتے ہیں؟ اور ہماری وہ باتیں جو صرف اور صرف ہم جانتے ہیں، ان سب کو دجالی نظام کے چلانے والے آج جاننے لگ گئے ہیں۔

سوشل میڈیا کے ساتھ ساتھ گوگل اور جی میل اور اس طرح کے Applications کو استعمال کرنے والوں کو کیا یہ پتا ہے کہ یہ Applications جانتی ہیں کہ میں روزانہ کہاں جاتا ہوں، کہاں کتنی دیر رکتا ہوں؟ آج ٹیکنالوجی کی مدد سے ان کا پورا پورا حساب رکھا جارہا ہے جس کو ڈیٹا کہتے ہیں۔ دجال کے نمائندے اس بات پر شاداں و فرحاں ہیں کہ ہم اربوں ڈالر خرچ کر کے وہ معلومات حاصل نہیں کرسکتے جو ہر شخص بخوشی خود شیئر کر رہا ہے۔ دجال جب خدائی کا دعوی کرے گا تو اس طرح کے gadgets کی مدد سے وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ سننے والا، ہر جگہ دیکھنے والا اور سب سے زیادہ جاننے والا ہوگا۔ یقین کیجیے وہ اسی ٹیکنالوجی کی مدد سے اور ہمارے اس ٹیکنالوجی پر اعتماد اور اس کو استعمال کرنے کی وجہ سے وہ ہمیں ہم سے بھی زیادہ جاننے کے قابل ہوجائے گا۔ سوشل میڈیا کے اندر میری ایک ورچوئل شخصیت موجود ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ آپ کو اس بات سے بھی ہوسکتا ہے کہ جب آپ کہیں ویزہ یا امیگریشن کے لیے اپلائی کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ اور ویب پیجز وغیرہ بھی بتائیں۔ اب تو ہمارے معاشرے میں اس سے بھی آگے بات جاچکی ہے کہ کہیں اگر رشتے کی بات چل رہی ہوتی ہے لڑکے یا لڑکی کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس کو دیکھا جاتا ہے اور اس سے اس کی شخصیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ گویا یہ پوری معلومات ہم بڑے اطمینان کے ساتھ، خوشی اور شوق کے ساتھ شیئر کر رہے ہیں۔

اللہ کے ذکر سے دوری

شروع شروع میں ایس ایم ایس ایک پلیٹ فورم تھا، ابھی سمارٹ موبائل نہیں آئے تھے۔ پھر ایم ایم ایس کی سہولت آئی کہ پیغام کے ساتھ ساتھ تصاویر بھی ایک دوسرے کو بھیجی جانے لگیں۔ پھر ٹیکنالوجی میں ترقی ہوئی تو فیس بک اور یوٹیوب آ گئے۔ پھر واٹس ایپ، ٹویٹر، انسٹا گرام، ڈیلی موشنز، ٹک ٹاک وغیرہ اور بے شمار پلیٹ فارمز جنہیں موبائل ایمو اور کمپیوٹرز کے ذریعہ سے لوگوں کی ایک عظیم اکثریت کو ان کا عادی بنایا گیا۔ اب ہر شخص کے مزاج اور لیول کے مطابق ایک پلیٹ فارم دستیاب ہے۔ ان کے ذریعہ سے جو بے حیائی پھیلی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مذکورہ بالا پلیٹ فارمز ہمیں اتنا مصروف رکھتے ہیں کہ بار بار ہمارا ہاتھ اپنے موبائل کی طرف جاتا ہے اور اس کو ہم بار بار اوپن کرتے ہیں۔ بار بار ہم دیکھتے ہیں کہ کیا نئی خبر آئی، کیا نیا لطیفہ آیا، کیا نئی پوسٹ آئی وغیرہ۔ یہ ہمارا معمول بن چکا ہے۔ گویا اللہ کے ذکر، غور و خوض اور غور و فکر کے لیے وقت ہی نہیں، دن گزرتا ہے پتا ہی نہیں چلتا۔ بیٹھے ہوئے، لیٹے ہوئے، کھاتے ہوئے، ڈرائیونگ کرتے ہوئے ہمارا موبائل چل رہا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے سورۃ الزخرف آیت 36 میں ارشاد ہے: ’’جو اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم ایک شیطان متعین کرتے ہیں پھر وہ اس کا ساتھی رہتا ہے‘‘۔

وقت کا ضیاع

کیا یہ بات درست نہیں کہ معلومات حاصل کرنے کے حسین فریب میں ہم وقت کا کس قدر ضیاع کرتے ہیں؟ نامناسب تصاویر و وڈیو کلپس یا پوسٹس سے ہم کس حد تک غض بصر کرتے ہیں اور کب اس طرح کی پوسٹس پر نظر ڈال لیتے ہیں؟ آج اگر ہر شخص اپنے آپ سے یہ سوال کرے تو اسے اس کا پورا پورا جواب مل جائے گا۔ حصولِ معلومات کے دلفریب جال میں آج ہمارے ایمان کمزور سے کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمارے اذہان اور ہماری سوچیں کس قدر سوشل میڈیا کے محتاج ہو چکے ہیں۔ سورۃ الزخرف آیت 36 کے لحاظ سے تو واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم اس سوشل میڈیا میں محو ہو کر اللہ کے ذکر سے کلیتاً غافل ہوتے جا رہے ہیں اور کیا ہمارے ایمان کی کمی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس آیت کی رو سے واقعی شیطان ہم پر مسلط ہو چکا ہے۔ یہ رحمٰن کو دور کرنے اور شیطان کو قریب کرنے کا نتیجہ ہے۔ یہ کسی ایسے پلان کا حصہ ہے جو ہمیں اللہ اور

اللہ کے رسول ﷺ سے دور کر کے شیطان کے قریب کر دے؟ کیا اس تمام کام کی زد ہمارے ایمان اور ہماری روحانیت پر تو نہیں پڑ رہی؟ ان تمام سوالوں کا جواب اگر ہم تلاش کرنا چاہیں تو فتنۂ دجال، دجالیت اور دجال کے حوالے سے احادیث کو سامنے رکھنا ہوگا۔ جس دور میں آج ہم ہیں اور آگے آنے والے حالات کیا ہیں اور جو باتیں بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے اس حوالے سے ہمارے سامنے رکھ دی ہیں، ان سب کو اگر ہم اپنے مطالعہ، غور وفکر اور گفتگو میں رکھیں تو ہمارے سامنے ہر عقدہ کھلتا چلا جائے گا اور یہ تمام دجالی نیٹ ورک ہمیں منسلک نظر آئے گا۔

برائی کی شناعت

سوشل میڈیا کے استعمال کے نقصانات میں سے یہ بھی ہے کہ برائی کی شناعت کم بلکہ ختم ہو رہی ہے۔ مثال کے طور پر جس طرح کا اخلاق باختہ مواد سامنے آتا ہے تو شروع شروع میں طبیعت میں اضمحلال ہوتا اور وہ مواد برا لگتا ہے لیکن وہ مسلسل روزانہ کی بنیاد پر نظر آنے لگے تو وہ معمول بننے لگتا ہے۔ اور پھر اس کی عادت ہونے لگتی ہے۔ اس طرح وہ برا نہیں رہتا۔

موسیقی

اسی طرح موسیقی کو لے لیں جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ روح کی غذا ہے۔ حالانکہ ہم سمجھتے ہیں کہ روح موسیقی کی غذا ہے، موسیقی روح کو کھا جاتی ہے۔ اچھے خاصے دین دار لوگوں کے موبائلز کی رنگ ٹونز ہمیں بتاتی ہیں کہ انہوں نے موسیقی کو کتنا جائز سمجھ لیا ہے۔ آج کل موبائل کے جو نت نئے ماڈلز آ رہے ہیں، بغیر میوزک والی فون رنگ ٹونز آنا بند ہو گئی ہیں بلکہ نئی سے نئی میوزک ٹونز شامل کی جا رہی ہیں۔ کبھی سوچا ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ صرف شعوری طور پر سوچنے کی ضرورت ہے کہ جن باتوں اور چیزوں کو ہم برائی سمجھتے تھے وہ اب ہمیں برائیاں نہیں لگ رہیں۔

غیرت وحمیت کا خاتمہ

اسی طرح اپنے خاندان کے افراد کی تصاویر شیئر کرنا بھی کوئی برائی نہیں رہا۔ کچھ عرصہ قبل لوگوں کی غیرت اور حمیت کا یہ عالم تھا کہ کوئی ان کی خواتین پر دو بار نگاہ ڈال لیتا تھا تو ہاتھا پائی تک نوبت آجاتی تھی اور اس فعل کو انتہائی گھٹیا شمار کیا جاتا تھا اور اب اپنی فیملی کی تمام خواتین اور

بچیوں کی تصاویر جن جن اداؤں اور تیاریوں سے سوشل میڈیا پر لگائی جاتی ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غیرت نام تھا جس کا گئی ان کے گھروں سے۔ جو شخص اپنے اہل وعیال اور محرم عورتوں کے بارے دینی غیرت وحمیت سے خالی ہو یعنی ان کی بے پردگی، عریانی اور فحاشی کو دیکھے لیکن خاموش رہے تو وہ دیوث ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں ہے کہ اللہ ایسے شخص کی طرف روز قیامت دیکھے گا بھی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے لوگ جنت میں نہیں جائیں گے: پہلا وہ شخص (دَیُّـــوث) جو اپنے گھر والی عورت کے سلسلے میں بے غیرت ہے، دوسری وہ عورت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے، تیسرا وہ شخص جو شراب کا عادی ہے۔ صحابہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں تو معلوم ہے کہ مدمن خمر سے کون مراد ہے، لیکن دیوث سے کون لوگ مراد ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: وہ شخص جس کو پرواہ نہیں ہے کہ اس کے گھر والوں کے پاس کون آیا اور کون گیا ہے۔ پھر ہم نے کہا: یہ "رجلة" کیا چیز ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورت ہے۔ (نورالدین الہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ اس میں بہت سے راوی مستور ہیں، اور ان کے بارے میں نہیں کہا گیا کہ وہ ضعیف ہیں) اور بزار وطبرانی نے مالک بن احیمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ "صقور" سے نہ فرض اور نہ سنت عبادت کو قبول کرتا ہے، تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ "صقور" کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ شخص جس کے گھر کی عورتوں کے پاس نامحرم مرد داخل ہوتے ہیں۔ یہاں دیوث اور صقور کی جو خصوصیت بیان ہوئی ہے، وہ توجہ طلب ہے۔ جب گھر کی خواتین کی تصاویر اور وڈیوز سوشل میڈیا کی زینت بنتی ہیں تو ان کو کون کس نظر اور توجہ سے اور زوم کرکے دیکھتا ہے کسی کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ کہاں چلی گئی وہ غیرت وحمیت؟ ہم جدید دور کے تقاضوں کے اتنے اسیر ہو گئے کہ دیوث اور صقور کی فہرست میں شامل ہو گئے۔

نظر بد

بدنظری کے ساتھ ساتھ یہاں نظر بد لگنے کا ذکر بھی کرتا چلوں۔ لوگوں کو اندازہ نہیں ہے کہ نظر بد کی تباہ کاری کیا ہوتی ہے۔ حدیث مبارکہ کے مطابق نظر بد آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں پہنچا دیتی ہے۔ بدنظری اور نظر بد دونوں کے اثرات آج کل معاشرے میں ظاہر ہو رہے ہیں

اور خاندان کے خاندان اُجڑ رہے ہیں۔ رشتوں میں اعتماد ختم، غلط تعلقات کا جنم لینا اور بہت سی معاشرتی برائیاں اسی کا شاخسانہ ہیں۔

مرد وزن کا اختلاط

اسی طرح سوشل میڈیا پر اختلاطِ مرد وزن اس قدر آسان اور زیادہ ہوگیا ہے کہ کبھی سوچا نہ تھا۔ سب سے خوفناک معاملہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی فرینڈ ریکوسٹ کسی خاتون کی طرف سے آتی ہے یا آپ کی پوسٹ کو کوئی خاتون یا کسی خاتون کی پوسٹ کو کوئی مرد لائیک یا کمنٹ کرتا ہے۔ اس سے تجسّس پیدا ہوتا ہے کہ جانا جائے کہ یہ شخص یا عورت کون ہے؟ پھر اسی تجسّس کا اگلا قدم ہوتا ہے کہ اس کے پروفائل کا مطالعہ کیا جائے، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ سوشل میڈیا پر آپ کی پروفائل آپ کی ورچول شخصیت کی مانند ہوتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کا پروفائل کھولا تو پھر آگے سے آگے معاملہ وہاں تک پہنچ جاتا ہے جہاں شیطان اسے لے جانا چاہتا ہے۔

بلا تحقیق معلومات

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ بلا تحقیق بات آگے بیان کرے۔'' اس حوالے سے افسوسناک معاملہ یہ بھی ہے کہ لوگ فیس بک اور سوشل میڈیا پر نشر ہونے والی خبروں یا احادیث کو اتنا مستند اور یقینی سمجھنے لگے ہیں کہ ان کو پھیلانے میں لگ جاتے ہیں۔۔ گویا فیس بک یا گوگل پر جو بات آ گئی وہ حتمی ہے۔ قرآن وحدیث بھی پیچھے رہ گیا۔ معاذ اللہ!

پُر فتن دور

یہ تمام صورتحال اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ہم شدید فتنے کے دور میں سے گزر رہے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''فتنوں کے دور میں لیٹنے والا، بیٹھنے والے شخص سے، بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے شخص سے، کھڑا ہوا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہے''۔

یعنی جو شخص اس نشے سے جس حد تک دور رہے، اتنا اچھا ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے ایک وقت آئے گا کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بھیڑ بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑ کی چوٹی اور بارش کے مقامات پر چلا جائے گا تا کہ وہ اپنے ایمان کو فتنوں سے

بچائے۔ آپؐ نے فتنے کے دور میں گھر تک محدود رہنے کی بھی تلقین فرمائی ہے۔ اپنے آپ کو Secure (محفوظ) کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا جو کچھ ابھی تک عرض کیا گیا اس کا مقصد آگاہی ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے، جو لوگ ان چیزوں کو استعمال کرتے ہیں وہ ان باتوں کو جانتے ہیں۔

سوشل میڈیا کا محتاط استعمال

گزارش یہ ہے جب آپ ان gadgets کو استعمال کریں تو تمام تر احتیاطوں کے ساتھ۔ اور اگر ہو سکے تو کم سے کم استعمال وہ بھی اس احتیاط کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ جو کچھ ہم ان gadgets پر کر رہے ہیں وہ دنیا میں بھی کہیں نہ کہیں ریکارڈ ہو رہا ہے اور ڈیجیٹل دنیا میں کوئی چیز بھی ڈیلیٹ نہیں ہوتی، ہاں ڈیلیٹ کا بٹن دبانے سے ہمارے نظروں سے غائب تو ضرور ہو جاتی ہے مگر حقیقت میں نہیں۔

خوش نصیب لوگ

میں ان تمام لوگوں کو انتہائی خوش نصیب سمجھتا ہوں جو سوشل میڈیا اور گوگل وغیرہ کو استعمال نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ نہ صرف بے حیائی، بدنظری اور دیگر خرافات اور وقت کے ضیاع سے بچے ہوئے ہیں بلکہ وہ دجالیت کی نگرانی سے بھی کسی حد تک محفوظ ہیں۔ ایسے لوگ بہت قلیل تعداد میں رہ گئے ہیں۔

ڈیجیٹل اور دجالیت

قارئین محترم! مجھے میڈیا کی فیلڈ میں اٹھائیسواں سال ہے اور سوشل میڈیا سے بھی تقریباً گیارہ سال سے متعارف ہوں۔ الیکٹرانک اور سوشل میڈیا دونوں کے محدود مطالعے اور استعمال کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ''ڈیجیٹل اور دجالیت'' کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے بھرپور ممد و معاون ہیں۔ اگر آپ بھی اس میڈیا کے فوائد و نقصانات پر غور کریں گے تو آپ کو اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ سہولت اور معلومات کی آڑ میں ہماری باطنی اور ایمانی صورتحال کیا ہے۔

سوشل میڈیا کا استعمال

میڈیا چاہے پرنٹ ہو، الیکٹرانک ہو یا سوشل، یہ ایسی چیز ہے یا تو یہ اللہ کے لیے استعمال

ہورہی ہوتی ہے یا یہ اللہ کے خلاف استعمال ہورہی ہوتی ہے۔ درمیان کی کوئی صورت نہیں ہے۔

بہر حال جو حضرات بھی اس کو استعمال کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ اسے دین کی اشاعت کے لیے استعمال کریں۔ ہر فرد اس بات کی پوری کوشش کرے کہ میری طرف سے جو بات بھی شیئر ہو وہ خیر ہو، تاکہ وہ میرے لیے صدقہ جاریہ کا باعث ہو۔ سوشل میڈیا پیغام پہنچانے کا ایک جدید ترین اور مؤثر ترین ذریعہ ضرور ہے لہٰذا اس کو دین کے کام کے لیے تمام تر احتیاطوں کے ساتھ استعمال کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو آپ ﷺ نے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اس وقت کے مروّجہ طریقۂ ابلاغ کو ذریعہ بنایا۔ اگر بریکنگ نیوز دینی ہوتی تھیں تو وہاں انسان عریاں ہوکر کوہِ صفا پر چڑھ جاتا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کوہِ صفا پر تو کھڑے ہوئے لیکن عریاں ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس وقت نیٹ ورکنگ یا سوشل میڈیا کا ذریعہ عکاظ کے میلے ہوتے تھے۔ پورے عرب سے لوگ آتے تھے۔ ان میلوں میں تمام خرافات ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ وہاں اللہ کے پیغام کو پہنچانے جاتے تھے تاکہ اللہ کا دین غالب ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنا دامن پاک وصاف رکھتے تھے۔

آج کا سوشل میڈیا برائیوں کی آماجگاہ ہے لیکن کوشش کریں کہ اسے دعوتِ دین اور اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے استعمال کیا جائے۔ یا کم از کم اس کے استعمال کا مقصد دین کی دعوت وتبلیغ ہو۔ اس کام کے لیے مواد صرف اور صرف مستند ذرائع سے حاصل کریں اور تحقیق کے بعد اسے عام کریں۔ اس طرح یہ کام آپ کے لیے صدقہ جاریہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ جو بھی اس سے استفادہ کرے گا اس کا اجر آپ کو بھی ملے گا۔

اسلام موزونیا

ثبت کی ہے اس پہ خود اپنی گواہی رُوس نے
اِشتراکی فلسفہ تو سر بہ سر ناکام ہے
مغربی دانشوروں کا اب یہی ہے تجزیہ
''مزدکیّت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے''

(انور مسعود)

قیامِ پاکستان کا نصب العین
مگر ہم کہاں کھڑے ہیں؟

ابو فیصل محمد منظور انور

برصغیر پاک و ہند میں 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلم اقتدار کا چراغ گل ہوگیا مغلیہ خاندان کی سلطنت زوال پذیر ہوئی اور برطانوی استعمار نے پنجے گاڑ دیے۔ انگریز تجارت کی غرض سے یہاں آئے تھے مگر وہ سازشوں کے ذریعے خطے کے مالک بن گئے۔ انگریزوں نے لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی اپناتے ہوئے جائز و ناجائز طریقوں سے مقامی راجوں مہاراجوں اور ریاستوں کے والیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس وقت کی مسلم قیادت نے آنے والے دور کی سختیوں اور رنج و الم کو بھانپ لیا تھا اور مسلمانانِ ہند نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ اب غلام بنائے جا رہے ہیں اب دین اسلام کے پیروکاروں کو سخت ترین مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مسلم اقتدار کے خاتمے کے بعد ہندو انگریز سے ساز باز کرکے مہا بھارت کے لئے سرگرم تھا تو حکومت برطانیہ کے اپنے توسیع پسندانہ عزائم تھے۔ تاہم ان کٹھن حالات میں بھی اس وقت کے زعماء نے آزادی کے لیے کوششیں جاری رکھیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی سے لیکر کے قیام پاکستان تک مسلمانوں نے جانی و مالی قربانیوں کی لازوال مثالیں قائم کیں اور جلاوطنی، دار و رسن اور جیلوں میں سزائیں بھگتنے کی ایسی تاریخ رقم کی جس کی نظیر قوموں کی تاریخ میں بہت ہی کم ملتی ہے۔

1930ء میں خطبہ الہ آباد میں ایک الگ مملکت کا تصور علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت کا

آئینہ دار ہے جس میں وہ ایک خود مختار اور آزاد مملکت کا تصور پیش کر کے مسلمانوں کے جذبات و احساسات کی صحیح ترجمانی کر کے مصورِ پاکستان کہلائے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا: ''میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو متحد ہو کر ایک واحد ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں جس کی اپنی حکومت ہو، خواہ حکومت برطانیہ کے تحت یا اس سے الگ۔ اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ متحدہ شمال مغربی مسلم ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے تقدیر مبرم ہے۔...... لہٰذا میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں۔...... اسلام کے لئے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روح عصر سے ہم آہنگ کر سکے''۔

بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا کہ ہم پاکستان کی صورت میں ایک ایسے خطہ ارضی کے خواہاں ہیں جس میں اسلام کے اصولِ حریت، واخوت ومساوات کا عہد حاضر میں عملی اور مثالی نمونہ پیش کر سکیں۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اسلام ایک سوشل ڈیموکریسی ہے۔

بالآخر تائید ایزدی کے ساتھ 27 رمضان المبارک کو لیلۃ القدر میں 14/اگست 1947ء کو یہ معجزہ رونما ہوا کہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ حضرت علامہ اقبال تو قیام پاکستان سے دس برس قبل اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور قائداعظم مرحوم بھی قیام پاکستان کے ایک سال بعد تک زندہ رہے۔ دونوں عظیم رہنماؤں کی رحلت کے بعد ان کی عوامی تحریک کے ثمرات مفاد پرست خود غرض ٹولے نے خوب سمیٹے۔ جاگیردار، نواب، وڈیرے اور بڑے زمیندار چھا گئے اور ملکی اقتدار پر قابض ہو گئے ان کے ساتھ اعلیٰ سول اور فوجی عہدیدار اور عدلیہ کے اعلیٰ عہدیداران بھی مل گئے۔ جنھوں نے اپنی اپنی باریاں لگا کر ملک عزیز کو بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ مال مفت سمجھ کر گدھوں کی طرح نوچنا شروع کر دیا نتیجے میں قوم اس وقت تقریباً 100 ارب ڈالر کی مقروض ہو چکی ہے۔ اندرونی وبیرونی قرضوں کا ناقابل برداشت بوجھ، داخلی امن وامان کی صورت حال مخدوش، سرحدوں پر تناؤ کی کیفیت، مہنگائی کا جن کنٹرول سے باہر، زرمبادلہ کے ذخائر مایوس کن، ان حالات کو کون سنوارے گا؟ یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔

عوام کے لبوں پر یہ ایک نعرہ سننے کو ملتا ہے، نام نہاد مغربی جمہوریت کے نتائج تو سات عشروں سے دیکھ رہے ہیں۔اب نظام اسلام اور نظام خلافت کے نفاذ کی فوری ضرورت ہے مگر یہ کیسے نافذ ہوگا اور کون نافذ کرے گا۔موجودہ نظام میں تو ممکن نظر نہیں آتا۔

ڈاکٹر رفیع الدین لکھتے ہیں پاکستان کا قیام در حقیقت کفریہ طاقتوں کے خلاف اسلام کا ردّ عمل ہے اور اسلام کا وہی ردّ عمل جس نے ایک طرف فلسفہ خودی کو اور دوسری طرف ایک ریاست کو بھی پیدا کیا ہے جسے فلسفہ خودی اپنے مقصد کے لئے کام میں لاسکتا ہے پاکستان کا تصور بھی علامہ اقبال کی ایجاد ہے جو فلسفہ خودی کا موجد تھا۔ پاکستان کو قائم ہوئے سات عشرے گزر چکے ہیں مگر ابھی تک پاکستان اور فلسفہ خودی کی ہم رکابی عمل میں نہیں آسکی؛ اسلامی جمہوریت اور اسلامی سوشلزم کی مرکب اصطلاحیں ایجاد کی گئیں۔نتائج کچھ نہ نکلے۔

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے اپنی کتاب ''استحکامِ پاکستان'' میں لکھا ہے کہ اسلام کی صرف وہی تعبیر مؤثر اور کارگر ہوگی جو صدیوں کے تعامل اور روایت کی بنا پر مسلمانوں کے اجتماعی شعور کا جزو لاینفک بن چکی ہے۔اور جس پر دین و مذہب کے معاملات میں مسلمانوں کی اکثریت اعتماد کرتی ہے۔ملک میں اکثریت مسلمانوں کی ہے مگر ابھی تک اسلامی نظام کے نفاذ کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا ہے۔1973ء کے آئین میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی اسٹیٹ تو کہا گیا ہے مگر یہاں اسلام کے خلاف کئی قوانین موجود ہیں اور تو اور سودی نظام رائج ہے، جس کو ختم کرنے کے فیصلے موجود ہیں مگر عملدر آمد کون کروائے۔مختلف حیلوں بہانوں سے اسلام کے نفاذ کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق نے کوشش کی مگر جزوی کامیابی بھی حاصل نہ کر پائے۔ پاکستان کا قیام جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی آزادی کے ساتھ ساتھ عالمی غلبہ اسلام کی خوشخبری بھی تھی، علامہ اقبال، اور قائد اعظمؒ کے خوابوں کی تعبیر پاکستان، ایک خطہ زمین تو مل گیا مگر یہاں نظام خلافت کیوں قائم نہیں ہوسکا۔ملک آزاد ہوئے 73 سال بیت چکے مگر ابھی تک غلامی کے دور کے قوانین نافذ العمل ہیں اور انگریز کے قوانین ہی رائج ہیں۔

ہر سال 23 مارچ کو یومِ پاکستان کے طور پر منایا جاتا ہے۔شاندار پریڈ منعقد کی جاتی ہے بانیانِ پاکستان علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح کو زبردست خراج تحسین پیش کیا جاتا

ہے۔ پورے ملک میں جشن منا کر بتایا جاتا ہے کہ ہم نے عظیم مملکت خداداد پاکستان لازوال قربانیاں دے کراس لئے حاصل کیا تھا کہ اس خطہ ارضی میں ہم مسلمان اپنی زندگیاں دین اسلام کے اصولوں کے مطابق قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں گزاریں گے مگر عملاً ایسا نہیں ہے۔ صدر اور وزیراعظم اپنے اپنے خطاب میں قوم کو کامیابیوں کی فہرست گنواتے اور اور مزید کامیابیوں کی نوید سناتے ہیں۔ مغربی جمہوری طرز حکومت نے قوم کے 73 سال ضائع کردیے۔عوام کو جو سنہرے مستقبل کے خواب دکھائے گئے تھے ان میں سے شاید ہی کوئی پورے ہوئے۔قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے کی بجائے پوری قوم مغربی کلچر اپنا چکی ہے اور یہود ونصاریٰ کی تقلید میں سرگرداں ہے۔نظامِ تعلیم ،معیشت،معاشرت اور رسوم ورواجات میں ہم اغیار کے نقش قدم پر چلنے کو باعث تفاخر سمجھتے ہیں۔ نام نہاد جمہوریت سے وابستہ مفاد پرستوں اور جمہوریت کے علمبردار سیاست دانوں، بیوروکریسی، کچھ جرنیلوں اور عدالتی افسران اوران کے اہل خانہ کی روز افزوں ترقی،ان کے بینک بیلنس میں اضافے کی داستانیں زبان زد خاص وعام سنائی دیتی ہیں۔جس میں کرپشن کے سنگین ترین الزامات لگائے جاتے ہیں۔ان بد معاش عناصر کی بیرون ممالک میں اربوں کھربوں کی جائیدادوں کے سراغ ملتے ہیں مگر احتسابی عمل عوام کو ٹرک کی لال بتی کے پیچھے لگانے والا ہے۔جس کا سالوں بعد بھی کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ لگتا ہے کہ یہ مملکت صرف انہی عناصر کے لئے معرضِ وجود میں لائی گئی تھی۔

افسوس صد افسوس قیامِ پاکستان کے نصب العین کو پس پشت ڈالا۔لٹیروں سے ہڑپ شدہ قومی خزانہ واپس کرنے کا وعدہ کر کے وزیراعظم عمران خان نے اقتدار سنبھالا تھا مگر اڑھائی سال گزرنے کے باوجود ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔افسوس صد افسوس کہ مقتدر طبقات نے قیام پاکستان کے نصب العین کو پس پشت ڈالا۔12 مارچ 1949ء کو قرارداد مقاصد منظور ہوئی جو آئین پاکستان کا اہم ترین حصہ ہے۔1950ء میں ملک کے مختلف مسالک کے 31 جید ترین علماء کرام کا اسلام کے 22 اہم بنیادی اصولوں پر اتفاق رائے موجود ہے مگر اس کو درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا اور دستور پاکستان کی آئینی شقوں کی بجائے من مرضی کے قوانین سے ملک کو چلایا جا رہا ہے،متعدد بار آئین توڑ کر اقتدار پر قبضہ کیا گیا مگر آئین توڑنے والوں کا کسی نے بال تک بیکا نہ کیا۔نفاذ اسلام

کے وعدے کو پورا کرنے کی بجائے ہر حکمران نے عوام کو گزشتہ سات عشروں سے لارے لپے لگا کر بے وقوف بنا رکھا ہے۔قرآن وسنت کے آئین کو چھوڑ کر اور اسلامی نظام کے نفاذ کے وعدے کو پس پشت ڈال کر مغربی جمہوریت میں اور کبھی کسی سوشلزم میں قوم کے مستقبل کو تلاش کر رہے ہیں۔ قائداعظم اور علامہ اقبال مرحوم کی روحیں سوال کرتی ہیں کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ'' کا وعدہ کہاں گیا ہے؟ موجودہ مخدوش اور سنگین ترین حالات سے واضح ہوتا ہے اس ملک خداداد میں کلمہ طیبہ کا نظام لانے کے وعدے کی خلاف ورزی پر اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہے جس کے باعث ایٹمی قوت ہونے کے باوجود ہم اردگرد کے پڑوسیوں سے خائف نظر آتے ہیں۔قوم کٹھن مراحل سے گزر رہی ہے۔قربانیاں دینے والے لاکھوں مرد وزن کی امنگوں کا خون کیا جا رہا ہے۔ مگر مقتدر طبقات اس پر بھی نازاں ہیں کہ ملک چل تو رہا ہے۔اب بھی وقت ہے اپنے پیارے رب العالمین سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اس کے سامنے سربسجود ہو جائیں اور ملک میں نظام اسلام کو فوری نافذ کر دیں تا کہ دنیا وآخرت میں کامیابی حاصل کر سکیں۔

اعتذار

حکمت بالغہ کے جنوری 2021ء کے شمارے کے صفحہ 17 پر سیّدنا حضرت محمد ﷺ کے سفر تبوک کے تذکرے میں قیصر روم کے ساتھ "CONSTANTINE THE GREAT" کے الفاظ غلطی سے لکھ دیے گئے تھے۔درست یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دور میں عیسائی فرمانروا ہرقل (HERACLIUS) تھا۔قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس کی درستی فرمالیں۔ (ادارہ)

رسید تحائف

قرآن اکیڈمی جھنگ میں ہمارے بہی خواہوں اور محسنوں کی شفقت سے بہت سی کتابوں کے تحائف موصول ہوئے ہیں۔ ان سطور میں ہم ان تحائف کی رسید کے ساتھ اپنے محسنوں کے بے حد مشکور ہوکر سراپا زیر بار احسان ہیں۔ ان کتب کو افادۂ عام کے لیے اکیڈمی کی لائبریری میں جمع کر لیا گیا ہے۔

1

MUHAMMAD ASAD (Leopold Weiss)

EUROPE'S GIFT TO ISLAM

Edited, annotated and writtent by

M.IKRAM CHUGHATAI

2 vols., pages: 1240, Price Rs.2400.00

علامہ محمد اسد مرحوم (1900ء-1992) معروف نومسلم اسلامی سکالر ہیں جنھیں سب سے پہلے پاکستان کی شہریت دی گئی تھی، قائداعظم محمد علی جناح نے ان کو اسلامی قانون کی تدوین کی ذمہ داری سونپی تھی اور بعدازاں یہ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے پہلے سفیر تھے۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں ان کے حالات و واقعات پر مشتمل ایک ضخیم مجموعہ ہے جو مصنّفین نے بہت محنت سے مرتب کیا ہے۔

2

HAZRAT BILAL (Radhiya Allah anho)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مصنف: ایچ۔ اے ایل کریگ

مترجم: ڈاکٹر سجاد باقر رضوی صفحات: 142 ، قیمت: 500 روپے

یہ کتاب سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات پر مشتمل، آپ بیتی کے انداز میں بہت دلچسپ کتاب ہے۔ کتاب کے مصنف کے بارے سیّد قاسم محمود صاحب لکھتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ مستشرق ہیں یعنی غیر مسلم۔ اور اگر نو مسلم بھی ہیں تب بھی انھوں نے بڑے بڑے مسلمان دانشوروں، مصنفوں اور محققوں کے کان کاٹ دیے ہیں۔ اور مترجم نے بہت شاندار ترجمہ کیا ہے۔

یہ دونوں کتابیں محترم جناب محمد افضل ڈیورا صاحب (سیالکوٹ) نے ارسال کیں ہیں اور ان کو THE TRUTH SOCIETY اور سنگ میل پبلشر لاہور نے شائع کیا ہے۔

(3) تذکرہ خواجہ اظہار الحق — تحقیق و تالیف: علی عباس چشتی

ناشر: آستانہ عالیہ چشتیہ نظامیہ ملنگیہ۔ محلّہ علی پور، ایچ بلاک، اوکاڑا۔

صفحات: 848، قیمت: 2000 روپے

یہ کتاب دربارِ عالیہ چشتیہ نظامیہ ملنگیہ اوکاڑا کے قائم مقام جانشین حضرت خواجہ اظہار الحق مسعود شاہ صاحب کی حیات پہلی تحقیقی جامع کتاب ہے۔

(4) والدینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم — مولف: محمد صادق قصوری

ناشر: مجاہدِ ملت فاؤنڈیشن، برج کلاں، ضلع قصور 0306-4469496

صفحات: 235 (خواہشمند حضرات 100 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب کر سکتے ہیں)

جناب محمد صادق قصوری صاحب ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انھوں نے مختلف موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انھوں نے اپنی اس تازہ تصنیف میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی شان، عظمت اور رفعت کا تذکرہ کیا ہے۔

(5) قولِ مجید [ریڈیائی نشری تقاریر] بسلسلہ ''قرآنِ حکیم اور ہماری زندگی''

ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم 0333-6506585

صفحات: 400، قیمت: 700 روپے

یہ کتاب، ریڈیو پاکستان پر نشر ہونے والے پروگرام ''حی علی الفلاح'' کے اہم ترین اور

مرکزی حصے ''قرآن حکیم اور ہماری زندگی'' کے سلسلۂ تقاریر میں گزشتہ بیس برسوں کے دوران پیش کردہ 70 سلسلوں کی 490 تقاریر میں سے دس منتخب سلسلوں کا دوسرا انتخاب ہے۔

6 نام کتاب: فهارس لسان العرب

للعلامه ابن منظور الافریقی

مصنف: پروفیسر عبدالقیوم صاحب

ناشر: المكتبة القدوسيه لاہور پاکستان

علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی (630ھ - 711ھ بمطابق 1232ء - 1311ء) ایک بڑے عالم وفاضل اور کثیر کتابوں کے مصنف گزرے ہیں اور وہ طرابلس (لیبیا) میں قضا کے عہدے پر بھی فائز رہے ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ''لسان العرب'' ہے، جو عربی زبان میں ضخیم لغت (ڈکشنری) ہے اور 20 جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل تو ہے ہی تاہم اس سے استفادہ ہر شخص کے لیے اتنا آسان نہیں ہے۔ اس لیے بعد کے کئی اہل علم حضرات نے اس اہم کتاب سے آسان استفادہ کے لیے کام کیا ہے۔ جناب پروفیسر عبدالقیوم صاحب نے بھی اس کی فہارس (Indexing) پر چار جلدیں مرتب کی ہیں۔ یہ عربی ادب کے حوالے سے ان کا عظیم کارنامہ ہے۔

الجزء الاول: فهرس أسماء الشعراء　　الجزء الثانی: فهرس القوافی

الجزء الثالث: فهرس القوافی　　الجزء الرابع: فهرس انصاف الابيات

یہ چار جلدیں 1200 سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں۔ جن کو مکتبہ قدوسیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ برائے رابطہ 042-7351124۔ قیمت درج نہیں۔

7 نام کتاب: مقالاتِ پروفیسر عبدالقیوم (دو جلدیں)

ترتیب: ڈاکٹر محمود الحسن عارف، میجر (ر) زبیر قیوم

ناشر: المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ لاہور

پروفیسر عبدالقیوم صاحب (1909ء-1989ء) نے پنجاب کے عروس البلاد لاہور میں

نصف صدی سے زیادہ عرصہ تعلیم و تعلّم کی زندگی گزاری ہے، ان کے سینکڑوں شاگرد تعلیم، تدریس اور تحقیق کے میدان میں مصروفِ عمل ہیں۔ عربی و اسلامی مصادر کے لحاظ سے لاہور کی ممتاز لائبریری دارالمعارف پروفیسر صاحب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب مرحوم کے گرانقدر علمی و تحقیقی مقالات اور نادر و اچھوتے مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا کچھ حصہ تو مرحوم نے اپنی زندگی میں مرتب کیا تھا، باقی کتاب کو ان کے فرزندار جمند جناب میجر (ر) زبیر قیوم، اور شاگرد محترم ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے مرتب کیا ہے۔ کتاب میں شامل مضامین و مقالات کی اہمیت کا اندازہ ان کے مطالعے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ دونوں جلدیں 832 صفحات پر مشتمل ہیں۔

8 نام کتاب: ہمارے رسول ﷺ (بچوں کے لیے)

مصنف: پروفیسر عبد القیوم

ناشر: بزم اقبال کلب روڈ لاہور 0335-6347530

یہ 48 صفحات کا کتابچہ ہے جو بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مرتب کیا گیا ہے، اس میں حضرت رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی کے اہم واقعات بالکل آسان الفاظ میں لکھے گئے ہیں تاکہ بچے اس کتاب کو شوق سے پڑھیں۔ اس کتابچے کو جناب ریاض احمد چودھری صاحب (ڈائریکٹر بزمِ اقبال لاہور) نے شائع کروایا ہے۔ اور اس کا ہدیہ 140 روپے ہے۔

9 نام کتاب: **تاریخ اسلام**

مصنف: پروفیسر عبد القیوم صاحب

ناشر: مکتبہ الاسلامیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

بقول مولفِ کتاب ''یہ کتاب تاریخ اسلام کے طالب علموں کے لیے مرتب کی گئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اس کتاب کو طلبہ کے لیے ہر لحاظ سے مکمل اور مفید بنایا جائے۔ مستند تاریخی معلومات درج کی گئی ہیں اور ہر جگہ طلبہ کی ضروریات اور معیار کا خیال رکھا گیا ہے۔ کتاب کی تیاری میں تمام قدیم و جدید کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ چند ضروری نقشہ جات بھی شامل کیے گئے ہیں تاکہ واقعات کے سمجھنے میں طلبہ کو آسانی ہو'۔ (صفحات: 660، قیمت درج نہیں)

10 نام کتاب: **نوادر الاخبار وظرائف الاشعار**

مصنف: شہاب الدین احمد الحجازی (م 875ھ)

ناقل: عبدالقیوم ایم اے

ناشر: دارالمعارف، لاہور 37378492-042

اس کتاب کے مصنف شہاب الدین احمد الحجازی (متوفی 875ھ) ہیں جو کہ مصر کے ایک صاحب علم شخص گزرے ہیں اور علم ادب کے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں۔ پروفیسر عبدالقیوم مرحوم نے شہاب الدین احمد الحجازی کی اس نادر و نایاب کتاب کو مسودہ سے اپنے ہاتھ سے نقل کیا ہے اور اس پر انگریزی اور عربی زبان میں حواشی لکھے ہیں۔ کتاب کے 137 صفحات عربی میں ہیں اور 27 صفحات انگریزی میں ہیں۔

11 نام کتاب: Some Notes on

Islamic History and Arabic Literature

مصنف: پروفیسر عبدالقیوم

ناشر: دارالمعارف، لاہور پاکستان (صفحات 200، قیمت درج نہیں)

ایف اے اور اس سے اوپر ایم اے کلاسز کے طلباء کے لیے پروفیسر صاحب کے اپنے لیے کلاس نوٹس ہیں جس سے انھوں نے اس وقت کے کورس کی کتابوں کے HINTS درج فرمائے ہیں۔ اساتذہ اور ریسرچ کے شائقین کے لیے مفید کتاب ہے۔

12 نام کتاب: The Study of **Early Arabic Literature**

مصنف: پروفیسر عبدالقیوم صاحب

ناشر: دارالمعارف مکتبہ جدید لاہور (صفحات 334، قیمت درج نہیں)

اس کتاب میں قرآن مجید کی سورۂ آل عمران کا TEXT اور انگریزی ترجمہ دیا گیا ہے اس کے علاوہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے دیوان کے بعض حصص، دیوانِ حماسہ کا باب الادب اور تریمہ بن الحکیم اور طفیل بن عوف الغنوی کی نظمیں (متن اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ) شامل کی گئی ہیں۔

13 نام کتاب: **Glimpses of Arabic Literature**

مصنف: پروفیسر عبدالقیوم صاحب

ناشر: دارالمعارف لاہور پاکستان

56 صفحات کا یہ کتابچہ الحجازی مصنف نوادر الاخبار، ابن خلدون، سید مصطفیٰ لطفی منعلوتی، امرأالقیس بن حجر، النابغہ الضیانی اور (ملک) سبا پر مختصر تعارفی NOTES پر مشتمل ہے۔

14 نام کتاب: **Aid to the Study of Simt-ud-Durar**

مصنف: پروفیسر عبدالقیوم صاحب

ناشر: دارالمعارف لاہور

عربی لٹریچر میں کتاب 'سمت الدرر' کے ترجمے پر مشتمل ہے۔ کتاب مصنف کے حالات اور بعض منتخب حصوں پر مشتمل ہے۔ ایم اے عربی کے طلباء کے لیے مفید کتاب ہے۔

15 غیرت کا نشان۔ سیّد احمد شہید سے غازی گوہرامان

مؤلف: حق نواز ناشر: زبیر پبلی کیشنز، بلتستان 0313-2622130

صفحات: +300، قیمت: 800 روپے

یہ کتاب عظیم مجاہد غازی گوہرامان (1827ء-1860ء) کے تذکرہ وتعارف پر مشتمل ہے جو بلتستان کے علاقہ میں سکھوں اور انگریزوں سے آزادی کی تحریک کے ایک عظیم لیڈر تھے اور سید احمد شہیدؒ سے وابستگی کے سبب اسلام سے محبت اور دینی حمیت بھی رکھتے تھے۔ کتاب کے صفحات میں بلتستان کے علاقہ سے تعلق رکھنے والی دیگر کئی نامور شخصیات کا تذکرہ بھی ضمنی طور پر آ گیا ہے۔ کتاب کے مولف لکھتے ہیں: ''احقر کی یہ تحریر حضرت شاہ ولی اللہؒ سے حضرت سیّد احمدؒ شہید کی تحریک کا تسلسل اور اب تک کی موتیوں میں پروئی ہوئی اس تحریک کے تحت انبیلا سے مالٹا، افغانستان سے ترکی اور پاکستان میں شریعت کے نفاذ اور خلافت کے قیام کے لیے جو جدوجہد ہو رہی ہے، سب اسی تسبیح میں پروئے ہوئے دانے ہیں۔ کب؟ کہاں؟ شریعت کا نفاذ ہو، اور اللہ تعالیٰ کا دین تمام نظاموں پر کیسے غالب آئے گا؟ اسی کے ہم منتظر ہیں اور جدوجہد میں مصروف کار ہیں۔ اسی تسلسل اور جدوجہد کی ایک جھلک دکھانے کے لیے ہم نے اپنی تحریر میں اسے اُجاگر کیا

ہے کہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک ’’بخارا سے لے کر چترال اور یاسین‘‘ کے حکمرانوں تک کس طرح پہنچی اور اس کے لیے کتنی محنت ہوئی۔

16 نام کتاب: **محمد علی جناح۔ایک اسلامی مطالعہ**

تالیف: نوراللہ رشیدی 0300-2475468

ناشر: النور ریفامنگ سنٹر، اسلام آباد

اس کتاب کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں کہ ’’میں نے اس کتاب میں آپ (بانی پاکستان محمد علی جناح) کے مذہبی، روحانی، اسلامی پہلو پر لکھا ہے کیونکہ اس حوالے سے کم لکھا گیا ہے اور مزید ضرورت بھی ہے تاکہ نوجوان نسل کو قائدمحترم کی اصل تعلیمات، ارشادات اور اس وطن عزیز میں کیسا نظام چاہتے تھے اور کس مقصد کے لیے اس وطن عزیز کو حاصل کیا ہے اور قائد محترم کا اللہ، رسول، قرآن، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، بزرگانِ دین سے تعلق وعقیدت جیسے عنوانات وموضوعات سے آگاہی حاصل ہو‘‘۔اور اس کتاب پر مختلف مکاتب فکر کے علماء، مذہبی و سیاسی قائدین، صحافی ووکلاء، سکالرز اور ڈاکٹروں کی تقاریظ اور تبصرے بھی کتاب میں موجود ہیں۔

صفحات:352۔ قیمت:750 روپے

17 **قلم کاوش** مولف: پروفیسر ڈاکٹر ممتاز عمر

ناشر: راشد جمال پبلی کیشنز، T-473 کورنگی 2، کراچی 0332-8220032

صفحات:200، قیمت: دعائے خیر (ڈاک خرچ 100 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں)

کتاب اور اس کے مولف بارے جناب پروفیسر خالد اقبال جیلانی لکھتے ہیں: محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر ممتاز عمر صاحب وہ تخلیق کار ہیں جو سادگی کی مالا میں لفظوں کے موتی پروتے ہیں، اچھوتے خیالات کو فکر کا جامہ پہنا کر مضامین، شخصی خاکوں، کہانیوں اور سفر ناموں کے شہ پارے تراشتے ہیں اور جہاں علمی و تحقیقی کام کا بیڑہ اٹھاتے ہیں تو وہاں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ان سے قرب کا تعلق رکھنے والے ان کی برجستگی، بزلہ سنجی، حاضر جوابی اور شناخت کے ہنر سے تو واقف ہی ہیں لیکن لکھتے کیا ہیں اور کس عمدگی سے اپنی تخلیقات کو پیش کرتے ہیں یہ ان

کی تالیف ''قلم کاوش'' کی کتابی شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

18 سانحۂ خانہ کعبہ ۱۹۷۹ء

مولف: کمانڈر اقبال رشید فاروقی علیگ

ناشر: دارالاحسن، فیڈرل بی ایریا، کراچی

کتاب کے مؤلف پاکستان نیوی کے شعبہ تعلیم سے منسلک رہے ہیں اور کئی انتظامی نوعیت کے کورسز بھی کیے ہیں اپنی اس فنی و تعلیمی صلاحیت کے سبب ایک بہترین تجزیہ کار بھی ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں محرم 1400ھ بمطابق نومبر 1979ء میں خانہ کعبہ میں رونما ہونے والے ایک اندوہ ناک سانحہ کی تفصیلات تحریر کی ہیں۔ (صفحات 176، قیمت: 300 روپے)

19 وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ

مولف: رشید اللہ یعقوب

ناشر: رحمۃ للعالمین ریسرچ سنٹر، زمزمہ اسٹریٹ 3، کلفٹن، کراچی

صفحات: 356 (بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے رجسٹرڈ ڈاک خرچ ارسال کریں)

کتاب کے بارے مولف صفحہ 51 پر لکھتے ہیں کہ ''یہ کتاب خاص طور پر اس مقصد کے لیے ترتیب دی گئی ہے کہ ان آیاتِ قرآنی اور احادیث سے مسنون دعاؤں کو یکجا کیا جائے جو کہتی ہیں کہ (۱) اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ (۲) اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود ہے ہی نہیں۔ (۳) اور ماسویٰ اللہ عزوجل جتنے بھی معبود ہیں وہ سب طاغوت، انداد، اوثان، اصنام وغیرہ ہیں۔ (۴) یہ تمام معبود صرف نام ہی نام ہیں جو انسانوں نے اپنی ضروریات اور خواہشات کے مطابق ایجاد کر لیے ہیں۔ (۵) اللہ عزوجل کا نہ کوئی ہمسر ہے، نہ مثل، نہ ہمنام، نہ نظیر، نہ مقابل، وہ یکتا اور اپنی ذات میں منفرد ہے۔ (۶) وہ علیٰ کل شیءٍ قدیر ہے......''۔ اس کتاب میں مصنف نے اس بات پر زیادہ زور دیا ہے کہ دیگر مذاہب کے لوگ اپنے معبودان کو جن ناموں سے پکارتے ہیں وہ نام ہمیں اللہ عزوجل کے لیے ہرگز استعمال نہیں کرنے چاہئیں مثلاً خدا، خداوند، یزد، ایزد اور God وغیرہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم

فِی مَدحِ النَّبیِّ

زمیں کہکشاں تا لا مکاں[1]

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ

ہمہ نور[2] کرد ایں خاکداں

کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

خُلُقش[3] ہے قرآں گشت

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

با رب[4] چوں باشی ہم زباں

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اَشعار پر تضمین

1 النجم 09:53 ۔ 2 المائدة 15:05۔

3 مسند احمد، عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔

4 الاحزاب 56:33

پہاڑوں میں لوگوں کے درمیان ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے؟ اس وقت یہ ایک سوال تھا جو ایک دوسری حقیقت سے پردہ اُٹھا رہا تھا اور وہ حقیقت یہ تھی کہ اسلامی دعوت کا ایک دور اپنے خاتمے اور اپنی تکمیل کے قریب آ لگا ہے اور اب ایک دوسرا دور شروع ہونے والا ہے جس کا دھارا پہلے سے مختلف ہوگا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض آیات میں مشرکین کو کھلی وارننگ اور سخت دھمکی دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا O (16:17) ''اور جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے اصحابِ ثروت کو حکم دیتے ہیں مگر وہ کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ پس اس بستی پر (تباہی کا) قول برحق ہو جاتا ہے اور ہم اسے کچل کر رکھ دیتے ہیں۔''

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا O (17:17) ''اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قوموں کو تباہ کر دیا اور تمہارا ربّ اپنے بندوں کے جرائم کی خبر رکھنے اور دیکھنے کے لیے کافی ہے۔''

پھر ان آیات کے پہلو بہ پہلو کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن میں مسلمانوں کو ایسے تمدنی قواعد و ضوابط اور دفعات و مبادی بتلائے گئے ہیں جن پر آئندہ اسلامی معاشرے کی تعمیر ہونی تھی۔ گویا اب وہ کسی ایسی سرزمین پر اپنا ٹھکانہ بنا چکے ہیں جہاں ہر پہلو سے ان کے معاملات ان کے اپنے ہاتھ میں ہیں اور انھوں نے ایک ایسی وحدت متماسکہ بنالی ہے جس پر سماج کی چکی گھوما کرتی ہے۔ لہٰذا ان آیات میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب ایسی جائے پناہ اور امن گاہ پالیں گے جہاں آپ ﷺ کے دین کو استقرار نصیب ہوگا۔

یہ اسراء و معراج کے بابرکت واقعے کی تہ میں پوشیدہ حکمتوں اور رازہائے سربستہ میں سے ایک ایسا راز اور ایک ایسی حکمت ہے جس کا ہمارے موضوع سے براہِ راست تعلق ہے۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اسے بیان کر دیں۔ اسی طرح کی دو بڑی حکمتوں پر نظر ڈالنے کے بعد ہم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اسراء کا یہ واقعہ یا تو بیعت عقبہ اولیٰ سے کچھ ہی پہلے کا ہے یا عقبہ کی دونوں بیعتوں کے درمیان کا ہے۔ واللہ اعلم

(الرحیق المختوم، مولف: مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، صفحہ 203-204)

Vol 15 | CPL No: FD 30/07 | HIKMAT-E-BAALGHA | MARCH 2021 | No 03

سیرۃ النبی ﷺ پر رابطہ عالم اسلامی کے منعقد کردہ مقابلۂ سیرت نویسی میں
اوّل انعام یافتہ کتاب ’الرحیق المختوم‘ کا تحریر کردہ

معراج النبی ﷺ سے متعلق ایک اقتباس ــــ ایک حکمت

اس واقعۂ معراج کی جزئیات کے پس پردہ مزید جو حکمتیں اور اسرار کار فرما تھے ان کی بحث کا اصل مقام اسرارِ شریعت کی کتابیں ہیں، البتہ چند موٹے موٹے حقائق ایسے ہیں، جو اس مبارک سفر کے سرچشموں سے پھوٹ کر سیرتِ نبوی کے گلشن کی طرف رواں دواں ہیں اس لیے یہاں مختصراً انھیں قلمبند کیا جا رہا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اِسراء میں اسراء کا واقعہ صرف ایک آیت میں ذکر کرکے کلام کا رُخ یہود کی سیاہ کاریوں اور جرائم کے بیان کی جانب موڑ دیا ہے۔ پھر انھیں آگاہ کیا ہے کہ یہ قرآن اس راہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھی اور صحیح راہ ہے۔ قرآن پڑھنے والے کو بسا اوقات شبہ ہوتا ہے کہ دونوں باتیں بے جوڑ ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس اسلوب کے ذریعے یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ اب یہود کو نوعِ انسانی کی قیادت سے معزول کیا جانے والا ہے کیونکہ انھوں نے ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے جن سے ملوث ہونے کے بعد انھیں اس منصب پر باقی نہیں رکھا جا سکتا، لہٰذا اب یہ منصب رسول اللہ ﷺ کو سونپا جائے گا اور دعوتِ ابراہیمی کے دونوں مراکز ان کے ماتحت کر دیے جائیں گے۔ بالفاظِ دیگر اب وقت آ گیا ہے کہ روحانی قیادت ایک اُمت سے دوسری اُمت کو منتقل کر دی جائے یعنی ایک ایسی اُمت سے جس کی تاریخ غدر و خیانت اور ظلم و بدکاری سے بھری ہوئی ہے، یہ قیادت چھین کر ایک ایسی اُمت کے حوالے کر دی جائے جس سے نیکیوں اور بھلائیوں کے چشمے پھوٹیں گے اور جس کا پیغمبر سب سے زیادہ درست راہ بتانے والے قرآن کی وحی سے بہرہ ور ہے۔

لیکن یہ قیادت منتقل کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس اُمت کا رسول مکے کے (باقی اندرونی صفحہ پر)